

العدد الصحيح
فی رکعات التراویح

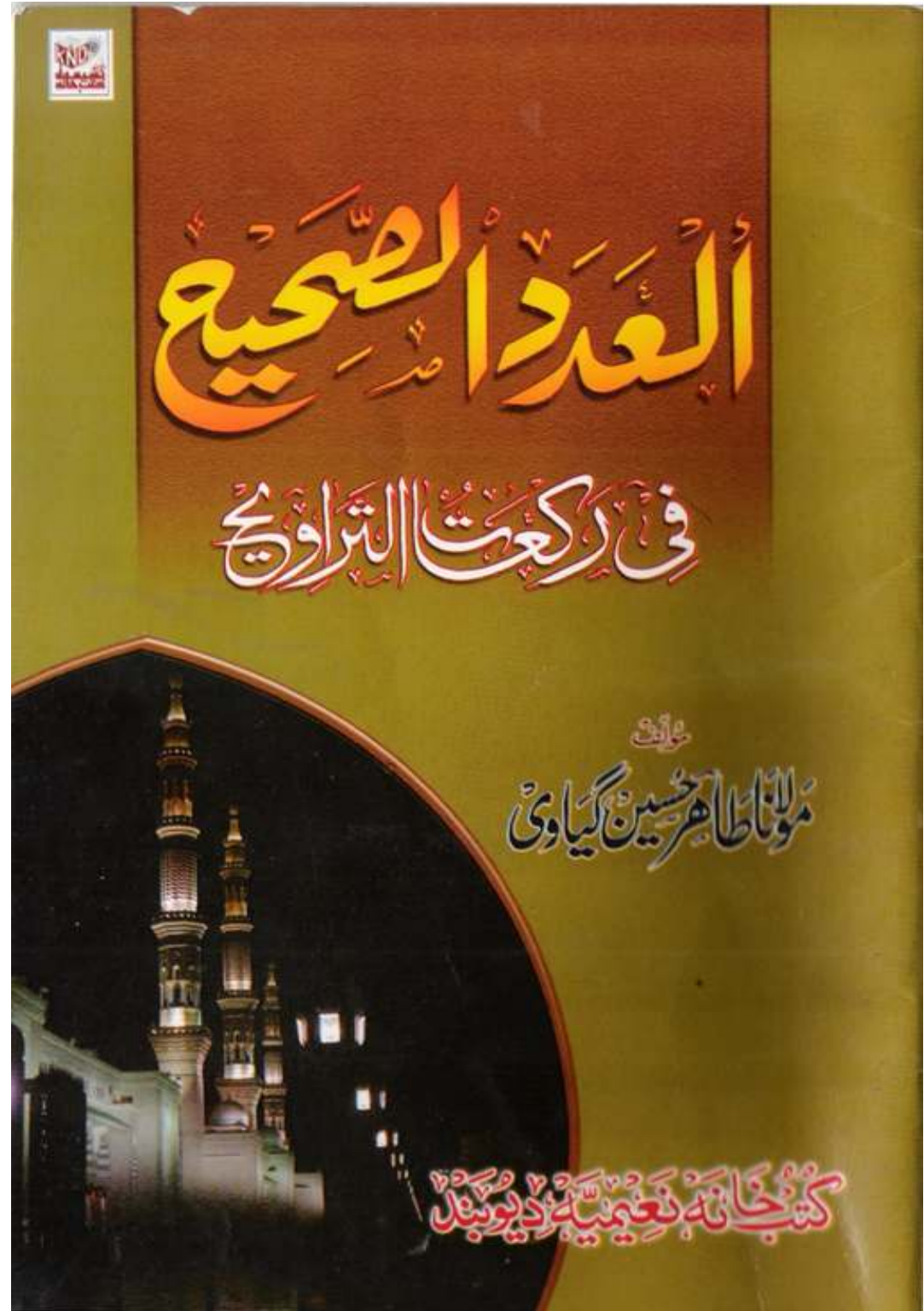
مؤلف

حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی
مہتمم دارالعلوم حسینیہ پلاموں

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یو پی

www.tauheed-sunnat.com



فہرست مضامین

صفحات	مضامین
۵	العدد الصحيح في ركعات التراويح
۶	سب سے پہلے موضوع بحث کی تعیین ضروری ہے
۷	احناف کا موقف کیا ہے
۱۰	غیر مقلدین حضرات کا موقف کیا ہے؟
۱۱	علمائے غیر مقلدین کے موقف کی تنقیح
۱۲	ایک ضروری تنبیہ
۱۳	نماز تراویح کے آٹھ رکعت میں حصر کی دلیل
۱۵	حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا ضعف سے خالی نہیں ہے
۲۵	أولاً
۲۵	ثانياً
۲۶	ثالثاً
۲۶	رابعاً
۲۷	خامساً
۲۷	سادساً
۳۳	غیر مقلدین کا دعویٰ حصر باطل ہے!
۳۸	حافظ ابن حجر نے بیس رکعت کو اشارتاً تسلیم کر لیا ہے

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

العدد الصحيح في ركعات التراويح

سلطان المناظرین حضرت الحاج مولانا

سید طاہر حسین صاحب گیاوی

مہتمم دارالعلوم حسینیہ پلاموں

۲۰۰۹ء

حرارہ کمپیوٹرس (اشرف علی قاسمی) 9719511183

نام کتاب

مؤلف

سن اشاعت

کمپوزنگ

طباعت

ناشر

کتاب خانہ نعیمیہ دیوبند یو پی

بسم الله الرحمن الرحيم

العدد الصحيح فی رکعات التراويح

الحمد لله حمداً كثيراً لعدد غير محدود والصلوة والسلام
على جميع الانبياء والمرسلين خصوصاً على محمد خاتم النبيين
صلاة كثيرة وسلاماً غير محدود وعلى اله واصحابه اتباعه اجمعين!
اس رسالہ کی وجہ تالیف یہ ہے کہ نماز تراویح کی رکعتوں کے متعلق بعض غیر
مقلدین حضرات نے بیجا تشدد بلکہ بیکد تعصب اختیار کر لیا ہے اس سلسلہ میں انہوں
نے بعض رسائل بھی تحریر کئے ہیں جن میں ثابت کرنا چاہا ہے کہ بیس رکعتیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرامؓ میں سے بھی کسی سے پایہ ثبوت کو
نہیں پہنچتی ہیں اور اس سلسلہ کی تمام مرفوع و موقوف روایتوں کو انہوں نے اصول
حدیث سے بے نیاز ہو کر سخت مجروح قرار دیا ہے احناف کے متعلق ان کی گفتگو کا
انداز نہ صرف غیر عادلانہ بلکہ سخت جارحانہ ہو گیا ہے چنانچہ حال میں مولوی علی احمد
نامی ایک غیر مقلد صاحب نے ”اظہار الحق الصریح“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف
فرمایا ہے جس میں علم و دیانت کا خوب خوب مذاق اڑایا گیا ہے اور بزعم خود انہوں نے
بہت بڑا کام انجام دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصد صرف حنفیہ کی
مخالفت اور ان پر حملہ کرنا ہے، چاہے اس کے لئے ان کو کتنا ہی غیر اخلاقی اور جاہلانہ

- ۳۹ ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ
۴۰ احناف کی دلیل تہجد اور تراویح کے فرق پر منحصر نہیں ہے
کیا آنحضرتؐ نے صرف ایک ہی رمضان میں
۴۲ تراویح باجماعت ادا فرمائی ہے؟
۴۴ حدیث جابرؓ قابل احتجاج نہیں ہے
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے
۵۱ بیس رکعت تراویح ثابت ہے
۵۳ حدیث ابن عباسؓ پر تنقیدی بیان کا تجزیہ
حدیث ابن عباسؓ کی سند میں ضعف تسلیم کر لیا جائے
۵۷ تب بھی وہ حدیث اصول کی روشنی میں صحیح ہے
عیسیٰ بن جاریہ اور ابراہیم بن عثمان
ابوشیبہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے

ملت

طریقہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے چنانچہ ان حضرات نے اپنے رسائل میں یہ خدمت خوب انجام دینے کی کوشش فرمائی ہے مثلاً ملا علی قاری نے ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا تھا لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلث عشرة رکعة الخ مولوی نذیر احمد مرحوم شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ و مولوی علی احمد دونوں حضرات نے مذکورہ بالا عبارت میں ثلث عشرة رکعة کو احدى عشرة رکعة بنا ڈالا ہے اسی طرح قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرنے میں خوب خوب خیانتیں کی ہیں وغیرہ وغیرہ بہر حال ان ہی اسباب کے پیش نظر ضرورت محسوس کی گئی کہ کسی مخصوص کتاب یا کسی خاص فرد کو زیر بحث لائے بغیر خالص علمی پہلو سے دونوں فریق کے دلائل پر گفتگو کی جائے اور ان کا علمی جائزہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ واقعی احادیث صحیحہ سے زیادہ قریب کون فریق ہے اور سنت رسول و تعامل صحابہ کرام کس کے ساتھ ہے، فی الحال صرف مرفوع روایات سے متعلق مختصری بحث اور تحقیق کی جارہی ہے اور موقوف روایتوں نیز تعامل صحابہ و توارث عملی کی بحث دوسرے حصہ کیلئے ملتوی کی جاتی ہے بلکہ مرفوع روایتوں میں بھی زیادہ تر بخاری و مسلم یا صحاح ستہ کی احادیث ہی سے استدلال کیا جائیگا۔ غیر صحاح ستہ کی بہ مشکل دو تین حدیثیں زیر بحث لائی گئی ہیں لیکن ان کی توثیق و صحت سے متعلق پوری وضاحت و تفصیل کر دی گئی ہے تاکہ کسی کیلئے اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ امید ہے کہ رسالہ ہذا منصف مزاج حضرات کیلئے بصیرت کا سبب ہوگا و ما توفیقی الا باللہ۔

سب سے پہلے موضوع بحث کی تعیین ضروری ہے

تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں جب بحث و تحقیق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے جو بات ضروری ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل بحث متعین اور واضح کر لیا جائے اور گفتگو کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے موضوع گفتگو واضح طریقہ پر

مقرر کیا جائے تاکہ کسی فریق کی بات سمجھنے میں کوئی طالب حق کسی طرح کی الجھن میں مبتلا نہ ہونے پائے اس سے ہم تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں غیر مقلدین اور حنفیہ دونوں فریق کا موقف و مسلک انہیں کے الفاظ میں پیش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

احناف کا موقف کیا ہے

علمائے محققین کی تصریح کے مطابق بالعموم حنفی کتابوں میں نماز تراویح کو سنت مؤکدہ بتایا گیا ہے اور اس کی بیس رکعتوں کو بھی سنت مؤکدہ ہی بیان کیا گیا ہے چنانچہ مراقی الفلاح علی ہامش طحاوی صفحہ ۲۳۵ پر ہے وہی سنة مؤکدہ یہ سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ ہے

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کا سانی حنفی متونی ۵۸۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔
اما صفتها فہی سنة کذا روی الحسن عن ابی حنیفہ انه قال
القیام فی شهر رمضان سنة لا ینبغی ترکها و کذا روی عن محمد انه
قال التراویح سنة الا انها لیست بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لکن الصحابة و اطبوا علیها فكانت سنة الصحابة.

تراویح کی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ سنت ہے جیسا کہ حسن بن زیاد نے ابوحنیفہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رمضان کے مہینہ میں نماز تراویح سنت ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں اور اسی طرح کی بات امام محمد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ تراویح سنت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام نے اس پر مواظبت فرمائی ہے لہذا وہ صحابہ کی سنت ہے۔
(بدائع الصنائع ج ۱ ماول صفحہ ۲۸۸)

ان تصریحات سے نماز تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا حنفیہ کے نزدیک بالکل واضح ہے لہذا بعض کتابوں میں جو اس کو نفل لکھ دیا گیا ہے وہ مذہب مختار کے خلاف ہے اور یا پھر نفل سے مراد ان حضرات کی بھی سنت مؤکدہ ہی ہے اس لئے کہ فقہائے

کرام کبھی کبھی غیر واجب پر نفل کا اطلاق کر دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نماز تراویح واجب نہیں ہے لہذا اس کو نفل کہا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ غیر واجب ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے نفل سے مراد سنت مؤکدہ بھی لیا جاتا ہے اس کی تصریح مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والتوافل جمع نافلة وهو لغة الزائدة ويطلق شرعا على صلوة ليست بفرض ولا بواجبة اعم من ان تكون سنة مؤكدة او مستحبا. اور نوافل جمع ہے نافلہ کی، نافلہ کی معنی لغت میں زائدہ کے ہیں لیکن شریعت میں ایسی نماز پر اطلاق ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہ ہو خواہ سنت مؤکدہ ہو یا مستحب۔

(عمدة الراية صفحہ ۱۹۹)

اس وضاحت کے بعد یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ نماز تراویح تمام حنفی حضرات کے یہاں سنت مؤکدہ ہے خواہ اس کو نفل یا مستحب سے یاد کیا گیا ہو یا صراحتہ سنت مؤکدہ ہی کا لفظ اس کے واسطے استعمال کیا گیا ہو دونوں کا مفہوم و مدلول ایک ہی ہے دونوں لفظوں کا اصطلاحی فرق اس جگہ ملحوظ نہیں ہے۔

ایک ضروری بات اس جگہ یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ نماز تراویح ہی کی طرح اس کی بیس رکعتیں بھی علمائے احناف کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں محققین کے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف علامہ ابن ہمام حنفی نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کا خیال ہے کہ تراویح کی آٹھ رکعتیں تو سنت ہیں اور بقیہ بارہ رکعتیں مستحب ہیں۔ (دیکھئے فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۳۴)

لیکن ابن ہمام کی یہ رائے جمہور حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ دلائل کے لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہے اسی لئے محققین علمائے احناف نے ان کی اس ذاتی رائے کو قبول نہیں کیا ہے اور ان کے اس تفرد کی پرزور تردید کر دی ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو حوالے نقل کر دینا کافی ہے۔ علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وذهب الشيخ ابن الهمام في الفتح ۱. ۳۳۴ الى ان الثمان من العشرين سنة والبقية مستحبة وذكر ان ذلك مقتضى الدليل اى الفرق بين سنته وسنة الخلفاء الراشدين وستعلم ما فيه وهذا قول لم يقل به احد. (معارف السنن جلد ۶ صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۶)

شیخ بن ہمام فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۳۴ میں اس طرف گئے ہیں کہ آٹھ رکعتیں بیس میں سے سنت ہیں اور بقیہ مستحب ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ دلیل کا تقاضہ یہی ہے یعنی حضور کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کے مابین فرق یہی چاہتا ہے اور بہت جلد تم کو معلوم ہو جائیگی وہ کمزوری جو اس قول میں ہے اور یہ تو ایسی بات ہے کہ (حنفیہ میں سے) کسی نے نہیں کہی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن ہمام کا رد کرتے ہوئے علامہ عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ومحققوهم يعرفونها بما واظب عليه الرسول او خلفاءه واليه يشير عبارات الفقهاء في مواضع شتى وهو المستفاد من حديث عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين اخرج ابو داود وابن ماجه فان كلمة عليكم تدل على اللزوم وكذا عطف سنة الخلفاء على سنته واليه اشار بعض اعيان دهلي في كتابه ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء فما في فتح القدیر ندب الى سنة الخلفاء بهذا اللفظ لا يخلو عن شيء فعلى هذا التعريف يكون السنة المؤكدة هو عشرون ركعة.

(حاشیہ ہدایہ صفحہ ۱۳۱ جلد اول)

اور محققین احناف سنت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ یہ وہ عمل ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو یا آپ کے خلفاء نے مواظبت کی ہو اور اسی تعریف کی طرف مختلف مواقع پر فقہاء کرام کی عبارتیں اشارہ کرتی ہیں بلکہ یہی مفہوم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين جس کی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے تخریج

کی ہے اس حدیث سے بھی سمجھا جاتا ہے کیونکہ لفظ ”علیکم“ لزوم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح سننی پر سنۃ الخلفاء کا عطف بھی لزوم ہی کا فائدہ دیتا ہے اور سنت کے اس معنی کی طرف دہلی کے بعض ممتاز علماء (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء میں اشارہ فرمایا ہے لہذا فتح القدیر میں جو یہ ہے کہ اس لفظ سے خلفاء کی سنت کو مستحب قرار دیا گیا ہے تو یہ کہنا ضعف سے خالی نہیں ہے لہذا اس تعریف کے پیش نظر سنت موکدہ بیس رکعت ہی ہوگی۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے احناف کو اختلاف ہے اور جمہور کے مقابلہ میں ابن ہمام کی رائے ان کے یہاں معمول پہنچ نہیں ہے بلکہ از روئے دلیل بھی ابن ہمام کی رائے کمزور ہے لہذا ان وضاحتوں کے سامنے آ جانے کے بعد احناف کا موقف تراویح کے سلسلہ میں یہی ہوگا کہ ان کے نزدیک نماز تراویح اور اس کی بیس رکعتیں دونوں سنت موکدہ ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کا موقف کیا ہے؟

بالعموم غیر مقلدین علمائے کرام کا خیال نماز تراویح کے سلسلہ میں یہ ہے کہ وہ نماز نفل ہے سنت موکدہ نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اس کی رکعتیں صرف آٹھ ہیں اور آٹھ سے زیادہ رکعتیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام سے خصوصاً خلفائے راشدین سے تو ہرگز آٹھ سے زیادہ ثابت ہی نہیں چنانچہ مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں:-

قلت القول الراجح المختار الاقوی من حیث الدلیل هو هذا القول الاخير الذی اختاره مالك لنفسه اعنى احدى عشرة ركعة وهو الثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالسند الصحيح وبها امر عمر بن الخطاب واما الاقوال الباقية فلم يثبت واحد منها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بسند صحيح ولا ثبت الامر به

عن احد من الخلفاء الراشدين بسند خال عن الكلام.

میں کہتا ہوں رائج مختار اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی بات یہی آخر والی ہے جس کو امام مالک نے اپنے واسطے پسند فرمایا ہے یعنی گیارہ رکعت اور یہی سند صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے بلکہ اسی کا امر کرنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے اور باقی اقوال میں سے ایک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند صحیح ثابت نہیں اور نہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا حکم ہی اس کے بارے میں ایسی سند سے ثابت ہو سکا ہے جو کلام سے خالی ہو۔ (تحفۃ الاقوی صفحہ ۳۷ جلد ۲)

بالکل یہی بات شرح وسط کے ساتھ رسالہ رکعات تراویح میں حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری نے بھی کہی ہے اور حال میں مولوی احمد نامی ایک غیر مقلد صاحب نے اپنے رسالہ ”اظہار الحق الصریح صفحہ ۱۶“ پر تحریر فرمایا ہے۔

ہمارا کہنا ہے کہ تراویح نفل نماز ہے جس کا پڑھنا باعث ثواب ہے لیکن نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اس کی رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاوہ وتر آٹھ رکعتوں سے زیادہ ثابت نہیں ہے۔

ان حوالوں سے صاف واضح ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح ایک نفل نماز ہے اور اس کی رکعتیں صرف آٹھ ہیں، آٹھ سے زیادہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں نہ کسی صحابی سے بالخصوص خلفائے راشدین میں سے کسی سے سند صحیح ہرگز ثابت نہیں ہے۔

علمائے غیر مقلدین کے موقف کی تنقیح

اس جگہ یہ بات اچھی طرح خیال کر لینا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے آٹھ رکعت ثابت ہونے کا دعویٰ ایک دوسری چیز ہے اور صرف آٹھ کے ثابت ہونے کا دعویٰ یعنی آٹھ سے زیادہ کا انکار کرنا ایک دوسری چیز ہے دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اس فرق کو ایک مثال کے ذریعہ ذہن نشین کیا

جاسکتا ہے مثلاً زید کے پاس کچھ روپے ہیں جن کے متعلق خالد کا دعویٰ ہے کہ صرف آٹھ روپے ہیں آٹھ سے زائد روپے ہرگز زید کے پاس نہیں ہیں۔ محمود کا دعویٰ ہے کہ زید کے پاس آٹھ روپے ضرور ہیں اب زید کی تلاشی لی گئی تو بیس روپے نکل آئے ایسی صورت میں خالد کے دعویٰ کا باطل ہونا تو بالکل ظاہر ہے لہذا خالد کا دعویٰ غلط ہو کر رہ جاتا ہے لیکن زید کے پاس بیس روپے نکل آنے سے محمود کے دعویٰ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ بیس میں بہر حال آٹھ روپے بھی موجود ہیں جو محمود کا دعویٰ ہے لہذا اس کا دعویٰ اپنی جگہ درست ہے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی وقت زید کے پاس آٹھ ہی روپے ہوں گے اگرچہ اس وقت بیس ہیں لہذا محمود کا دعویٰ پہلی حالت کے لحاظ سے اپنی جگہ درست ہے اس مثال کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد یہ سمجھ لینا چاہیے کہ غیر مقلدین حضرات کا دعویٰ محمود کی طرح یہ نہیں ہے کہ آٹھ رکعتیں ثابت ہیں بلکہ خالد کی طرح ان کا دعویٰ یہ ہے کہ آٹھ رکعتوں سے زیادہ ثابت ہی نہیں ہے لہذا ایک مرتبہ بھی دس یا بارہ یا چودہ یا سولہ یا اٹھارہ یا بیس رکعتیں ثابت ہو جانے سے غیر مقلدین حضرات کے دعویٰ کا باطل اور غلط ہو جانا بالکل واضح ہو جائیگا۔ اگر یہ فرق آپ نے محسوس کر لیا ہے تو آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے کہ غیر مقلدین حضرات کے اس دعویٰ حصر کی وجہ سے کتنی صحیح مرفوع متصل حدیثوں کی تکذیب ہوتی ہے اور کتنی روایتوں کا انکار لازم آتا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

غیر مقلدین حضرات اپنی دلیل میں سب سے وزن دار روایت جو پیش فرماتے ہیں وہ ہے حدیث عائشہ جس کا تذکرہ اگلے صفحہ پر آ رہا ہے لیکن ان حضرات نے اس روایت کے سہارے ایک مغالطہ بھی مختلف موقع پر دینے کی کوشش فرمائی ہے لہذا اس کا ازالہ ضروری ہے مغالطہ یہ ہے کہ اس روایت کی وجہ سے وہ اپنے دعویٰ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر تھوپ کر یہ فرمادیتے ہیں کہ آٹھ رکعتوں میں حصر کا

دعویٰ تو ہم نے نہیں کیا ہے یہ دعویٰ تو حضرت عائشہ کا ہے۔ بنا بریں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی بات کا راوی و ناقل ہونا اور چیز ہے اور اس بات کا مدعی ہونا ایک دوسری چیز ہے حضرت عائشہ کی حیثیت صرف راوی و ناقل کی ہے مدعی کی حیثیت نہیں ہے اگر ہر راوی اپنی روایت کردہ بات کا مدعی قرار دیا جائیگا تو خاص اس حدیث تراویح کے سلسلہ میں بخاری و مسلم کی روایت میں تیرہ رکعت بھی حضرت عائشہ سے مروی ہے اور راوی و مدعی کے فرق کے علاوہ ایک خاص بات حدیث عائشہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے گو کہ بفرض محال دعویٰ بھی اگر کیا ہے تو گیارہ میں حصر کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ آٹھ میں۔ متن حدیث میں آٹھ کا لفظ تو ہے ہی نہیں، گیارہ کا لفظ ہے لہذا حصر بھی ثابت ہوگا تو گیارہ میں اور گیارہ میں حصر مان لینے کی صورت میں وتر کی رکعتیں بھی صرف تین ہی ہمیشہ پڑھنی ضروری ہوں گی اس سے کم و بیش جائز نہ ہوں گی حالانکہ غیر مقلدین حضرات اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لہذا اپنی بات حضرت عائشہ کے سر تھوپنا محض فریب ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اظہار الحق الصریح صفحہ ۱۱ کی ان سطروں پر غور فرمائیے لکھتے ہیں:

”کوئی بھی حق و انصاف پسند اسے پڑھ کر یہی کہے گا کہ دعویٰ تو گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے کا حضرت عائشہ کا ہے جسے اہل حدیث بطور دلیل کے نقل کرتے ہیں“
معروضات بالا کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب غیر مقلدین حضرات کی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

نماز تراویح کے آٹھ رکعت میں حصر کی دلیل

فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدى عشرة رکعة یصلی اربعاً فلا تسال عن حسنہن و طولہن ثم یصلی اربعاً فلا تسال عن حسنہن و طولہن ثم یصلی ثلثاً قالت عائشة فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا

عائشة ان عینی تمامان ولا ینام قلبی۔

(معلوم کرنے پر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے چار رکعت ادا فرماتے تھے ان رکعتوں کی درازی اور عمدگی کا کیا کہنا ہے پھر چار رکعت ادا فرماتے تھے ان رکعتوں کی درازی اور عمدگی کا کیا کہنا ہے؟ اس کے بعد تین رکعت پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ: آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں یقیناً سو جاتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔ (بخاری جلد اول صفحہ ۱۵۴)

اس حدیث کے سلسلہ میں کسی طرح کی گفتگو کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حدیث سے آٹھ رکعتوں میں حصر ثابت کرنے کیلئے مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی اور ہمیشہ کا ہے اس کے خلاف ایک مرتبہ بھی آپ نے آٹھ سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھی ہیں ورنہ حصر ثابت نہ ہوگا۔

(۲) یہ بات بھی ضروری ہے کہ وتر کی نماز تین رکعتوں سے زیادہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی ثابت نہ ہو کیونکہ حدیث بالا سے گیارہ رکعتوں میں حصر سمجھا جاتا ہے جس میں تین رکعت وتر علیحدہ کر لینے سے تراویح کی آٹھ رکعت ثابت ہوتی ہے خود حدیث کے اندر آٹھ رکعت میں حصر نہیں مذکور ہے لہذا گیارہ پر ہی آٹھ کے حصر کا دار و مدار ہو جاتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وتر کی رکعتیں تین سے زیادہ کبھی ثابت نہ مانی جائیں ورنہ استدلال غلط ہو جائے گا۔

(۳) یہ بات بھی ثابت ہونی ضروری ہے کہ حدیث بالا میں جس نماز کو حضرت عائشہ نے بتایا ہے وہ نماز تراویح ہے جو درحقیقت نماز تہجد ہی کا دوسرا نام ہے

اس طرح نماز تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک ہی نماز ہے ورنہ دونوں نمازوں کو الگ الگ ماننے کی صورت میں اس بات کا قوی امکان ہو جاتا ہے کہ اس حدیث میں نماز تہجد کا ذکر ہو نہ کہ تراویح کا اور پھر تراویح پر اس سے استدلال کرنا غلط ہو جائے۔

(۴) یہ ثابت ہونا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہی تھا کیوں کہ صحیح حدیثوں سے اس سے زیادہ رکعتوں کا پڑھنا معلوم ہوتا ہے پھر حصر کیسے باقی رہے گا لہذا حصر کے باقی وثابت رکھنے کی صرف یہی ایک صورت ہوگی کہ حدیث بالا کو پہلی تمام حدیثوں کے لئے ناخ مانا جائے اور اسی کو آخری معمول قرار دیا جائے۔

(۵) حدیث بالا میں کسی طرح کا ضعف یا اور کوئی فنی عیب نہ ہو کیوں کہ اگر ضعف یا اور کوئی اسی طرح کا عیب نکل آیا تو اس حدیث سے استدلال ہی درست نہ ہوگا اور پھر حصر کا دعویٰ غلط ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا پانچ باتوں پر غور کرنا غیر مقلدین کے استدلال کی صحت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہم سب سے پہلے نمبر ۵ کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں اس کے بعد دوسرے نمبر پر حسب ضرورت گفتگو ہوگی۔

حدیث عائشہ سے استدلال کرنا ضعف سے خالی نہیں ہے

غیر مقلدین حضرات کا مذکورہ بالا روایت سے استدلال کرنا اس لئے ضعیف ہے کہ اس حدیث کی دو حیثیت ہے ایک سند کے لحاظ سے اس کا صحیح ہونا، دوسرے متن اور مضمون حدیث کا صحیح ہونا، جہاں تک سند کی صحت کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے اور بخاری و مسلم میں ہونا ہی اس کی سند کی صحت کے لئے بہت بڑی ضمانت ہے لہذا اب لحاظ سند یہ روایت بے غبار ہے لیکن جہاں تک متن اور مضمون حدیث کی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی صحت میں محدثین کو سخت کلام ہے حتیٰ

کہ متن حدیث کی کمزوری اور نقص کی وجہ سے بعض محدثین اس روایت کو مضطرب یعنی ضعیف قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ بات حوالہ کے ساتھ اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ رہی بات کہ کسی حدیث کا بہ لحاظ سند صحیح ہونا دوسری چیز ہے اور بلحاظ متن صحیح ہونا ایک دوسری چیز ہے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم نہیں ہیں تو یہ محدثین کا ایک مسلمہ اصول ہے اگر غیر مقلدین حضرات کو اس کے تسلیم کرنے میں تذبذب ہو تو مولانا عبد الرحمن مبارک پوری کے یہ حوالے بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

سلمنا صحة اسنادہ لكن قد تقرر ان صحة الاسناد لا يستلزم صحة المتن. (ابکار المنن صفحہ ۲۰)

ہم کو اسناد کا صحیح ہونا مسلم ہے مگر ثابت ہو چکا ہے کہ اسناد کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ دوبارہ پھر فرماتے ہیں:

كون رجال الحديث ثقات لا يستلزم صحته.

(ابکار المنن صفحہ ۴۹)
رجال حدیث کے ثقہ و معتبر ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ آگے چل کر اسی کتاب میں پھر فرماتے ہیں:

ومن العلوم ان حسن الاسناد او صحته لا يستلزم حسن الحديث او صحته. (ابکار المنن صفحہ ۶۴)
اور معلوم ہے کہ اسناد کے حسن یا صحیح ہونے سے لازمی طور پر حدیث حسن یا صحیح نہیں ہو جاتی۔

اسی اصول کی ایک مرتبہ اور اسی کتاب میں وضاحت فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان صحة السند لا يستلزم صحة المتن.

(ابکار المنن صفحہ ۴۰۲)
اور معلوم ہے کہ سند کی صحت متن کی سند کو مستلزم نہیں۔

اس تاکید اصول حدیث کے پیش نظر حدیث عائشہؓ کا بلحاظ سند صحیح ہونا تو تسلیم ہے لیکن بہ لحاظ متن وہ حدیث مضطرب ہے جیسا کہ بعض محدثین کا خیال ہے لہذا اس ضعیف روایت سے کسی طرح حصر پر استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ روایت کا متن و مضمون بھی اپنے ظاہری معنی پر باقی رہتے ہوئے بالکل صحیح ہو جائے بلکہ اس کی سند کا صحیح ہونا بھی اس کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ بات خاص حدیث عائشہؓ کے ہی سلسلہ میں نہیں کہی جا رہی ہے بلکہ بخاری کی بعض دوسری حدیثیں بھی اس انداز کی ہیں کہ ان کا متن اپنے ظاہری مفہوم و مراد سے اگر نہ ہٹایا جائے اور ان کے معانی میں کوئی تاویل و توجیہ نہ کی جائے تو وہ مضمون اور متن حدیث نہ صرف ضعیف بلکہ بالکل غلط ہو جاتے ہیں۔ بطور مثال اس وقت صرف ایک روایت پیش خدمت ہے بخاری جلد ثانی میں تعلیقاً یہ روایت موجود ہے:

عن ابن المسيب قال وقعت الفتنة الاولى يعني مقتل عثمان فلم تبق من اصحاب بدر احداً ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرة فلم تبق من اصحاب الحديبية احداً. (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷۳)
حضرت ابن مسیب سے مروی ہے کہ پہلے فتنہ یعنی شہادت عثمانؓ کے واقعہ نے بدری صحابہ میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پھر دوسرے فتنہ یعنی واقعہ حرہ نے شرکائے حدیبیہ میں سے ایک صحابی کو بھی نہ چھوڑا۔

دیکھئے کتنی صراحت کے ساتھ اس روایت میں یہ دونوں باتیں مذکور ہیں:

- (۱) شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بدری صحابہ میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔
- (۲) واقعہ حرہ کے بعد صلح حدیبیہ کا شریک کوئی صحابی زندہ نہ رہا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ غلط ہیں۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بہت بعد تک بدری صحابہ میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کرام زندہ تھے: حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بدری ہیں لیکن شہادت عثمانؓ کے بعد جنگ جمل

میں شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی، اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہم سب کے سب بدری ہیں لیکن واقعہ اولیٰ یعنی شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جنگ صفین تک بقید حیات تھے۔ ایسے ہی عبد اللہ بن عمر، سلمہ بن الاکوع، زید بن خالد الجہنی، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم یہ تمام صحابہ بیعت رضوان یعنی صلح حدیبیہ کے اندر شریک رہ چکے تھے لیکن واقعہ حرہ کے بعد تک ان میں سے ہر ایک صحابی زندہ موجود تھا۔ حضرت سلمہ بن الاکوع کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۵۰۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ۳۷ھ میں ہوا، دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۲۸۔ اور زید بن ارقم اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما کا انتقال بھی تقریباً ۶۸ھ میں واقعہ حرہ کے بہت بعد ہوا ہے لہذا ان حقائق کے پیش نظر ابن میثب کی روایت ہی کی طرح حدیث عائشہ کے ظاہری حصر میں کوئی نہ کوئی توجیہ و تاویل کرنی ہوگی ورنہ متن حدیث کے اضطراب کی وجہ سے حدیث عائشہ کو ضعیف کہنا پڑے گا۔ چنانچہ جن محدثین نے حضرت عائشہ کی ان روایتوں کو اور دوسرے صحابہ کی ان حدیثوں کو جن میں گیارہ کے بجائے تیرہ یا اس سے زائد رکعتوں کا پڑھنا مذکور ہے سامنے رکھ کر دونوں کے درمیان تاویل و توجیہ کے ذریعہ اختلاف و تضاد دور نہیں فرمایا ہے ان محدثین نے حدیث عائشہ کو رکعتوں کے سلسلہ میں مضطرب اور ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ زرقانی اور علامہ بدر الدین عینی رحمہم اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

وقال القرطبي اشكلت روايات عائشة على كثير من اهل العلم حتى نسب بعضهم حديثها الى الاضطراب.

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۰۱)

علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ کی روایتیں بہت سے اہل علم کے لئے دشواری کا سبب بن گئی ہیں حتیٰ کہ بعض اہل علم نے حضرت عائشہ کی حدیث کو

مضطرب ہی قرار دیا ہے۔

یہی بات علامہ زرقانی اور عینی نے بھی تحریر فرمائی ہے دیکھئے عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۸۷ بلکہ ان حضرات کے علاوہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

واهل العلم يقولون ان الاضطراب عنهما في الحج والرضاع وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل وقصر صلاة المسافر.

اہل علم کا ارشاد ہے کہ حج کے مسئلہ میں اور رضاعت کے مسئلہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے مسئلہ میں اور مسافر کی نماز کے قصر کے مسئلہ میں حضرت عائشہ سے اضطراب ہوا ہے۔

(تنویر الحواکک ص ۱۳۲ جلد اول، و عمدۃ القاری ص ۱۸۷ جلد ۷)

اسی بات کی طرف امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی اشارہ فرما رہے ہیں:

واما الاختلاف في حديث عائشة فقليل هو منها وقيل من الرواة عنها.

حدیث عائشہ کے اختلاف و اضطراب کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہ سے اضطراب ہوا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے روایت کرنے والوں سے اضطراب ہوا ہے۔ (نووی ج ۱ ص ۲۵۳)

اضطراب کسی سے ہوا ہو بہر حال اضطراب موجود ہے اب اس اضطراب و اختلاف کو کسی تاویل و توجیہ سے اگر دور نہ کیا جائے جیسا کہ اکثر محدثین نے کیا ہے تو پھر اس بات کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ حدیث عائشہ ضعیف ہے جیسا کہ حوالجات بالا سے بعض محدثین کا موقف معلوم اور واضح ہوتا ہے لہذا حصر کے ساتھ حدیث عائشہ سے استدلال کرنا غیر مقلدین حضرات کیلئے کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حدیث مضطرب ہے یعنی ضعیف ہے جس سے استدلال جائز نہیں، اضطراب اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے ہی مروی ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلي اذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين (بخاری ج ۱/ ص ۱۵۶، وموطا مالك مع تنوير ج ۱/ ص ۱۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو رکعت ہلکی پھلکی پڑھ لیتے تھے۔

یہی حدیث تھوڑے بہت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم مع نووی جلد اول ص ۲۵۴ نیز مشکوٰۃ ص ۱۱۱ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ تیرہ رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اس کے علاوہ بھی حضرت عائشہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن سے صراحۃً رکعتوں میں اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان حدیثوں میں سے بعض کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔ بہر حال ان وجوہ کے پیش نظر بعض محدثین نے حدیث عائشہ کو مضطرب قرار دیا ہے لیکن اکثر محدثین اضطراب کو دور کرنے کے لئے مختلف تاویل و توجیہ کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والصواب ان كل شيء ذكرته من ذلك محمول على اوقات متعددة واحوال مختلفة

صحیح بات تو یہ ہے کہ جو کچھ حضرت عائشہ نے نقل فرمایا ہے وہ مختلف اوقات متعدد واقعات پر محمول ہوگا۔ (فتح الباری ج ۳/ ص ۱۴۲)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

فان الحديث الاول اخبار عن صلاحته المعتادة الغالية والثاني اخبار عن زيادة وقعت في بعض الاوقات. (تنوير الحوالك ص ۱۴۲ ج ۱)

یقیناً حضرت عائشہ کی پہلی روایت میں اکثری معمول اور عادت غالبہ کا بیان

ہے اور دوسری روایت میں اس زیادتی کا تذکرہ ہے جو کبھی کبھی وقوع میں آتی تھی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان اخبارها باحدى عشرة هو الاغلب وباقي رواياتها اخبار منها كان يقع نادراً في بعض الاوقات (نووی جلد ۱/ ص ۲۵۳)

بلاشبہ حضرت عائشہ کا گیارہ رکعت نقل کرنا اکثر حالت سے متعلق ہے اور ان کی دوسری روایتوں میں اس (زیادتی) کا ذکر ہے جو بعض وقت اور کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

اکثر محدثین جنہوں نے حدیث عائشہ کے اضطراب کو غلط قرار دیا ہے انہوں نے اضطراب کو دور کرنے کے لئے یہی توجیہ اختیار فرمائی ہے اور اس کے علاوہ دوسری توجیہات و تاویلات کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن وہ قابل قبول اور کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ تمام نشیب و فراز پر نگاہ ڈالنے کے بعد سب سے زیادہ قوی و مضبوط توجیہ یہی ہے کہ گیارہ رکعت پڑھنا اکثری معمول قرار دیا جائے اور تیرہ یا اس سے زائد پڑھنا بھی ثابت تسلیم کیا جائے مگر وہ بعض وقت اور کبھی کبھی پڑھنے کا معمول سمجھا جائے۔ بہر حال آٹھ رکعت میں حصر صرف انہیں لوگوں کے نزدیک درست ہے جو حضرت عائشہ کو مضطرب قرار دیتے ہیں ورنہ تمام محدثین اس حصر کو جو سرسری طریقہ پر حدیث عائشہ سے مفہوم ہوتا ہے غلط ہی قرار دیتے ہیں اور اس میں تاویل و توجیہ ضرور کرتے ہیں۔ حدیث عائشہ کے خلاف خود حضرت عائشہ کی دوسری روایتوں کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کی روایت کردہ حدیثیں بھی ہیں مثلاً حضرت ابن عباس کی روایت جو بخاری و مسلم دونوں میں ہے بلکہ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے:

(۱) عن كريب ان ابن عباس اخبره انه بات عند ميمونة وهي حالته فاضطجعت في عرض الوسادة واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم واهله في طولها فنام حتى انتصف الليل او قريباً منه فاستيقظ يمسح النوم عن وجهه ثم صلى ركعتين ثم ركعتين ثم

ر کعتین ثم ر کعتین ثم ر کعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاءه المودن فقام فصلى ر کعتین ثم خرج فصلی الصبح .

(بخاری اول ص ۱۳۵)

حضرت کریب راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا ہے کہ وہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کے وقت تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں تکیہ کے عرض میں لیٹ رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ محترمہ تکیہ کے طول میں محو استراحت ہو گئیں، حضورؐ سو گئے حتیٰ کہ جب آدھی رات یا اس سے قریب گزر گیا تو آپ بیدار ہوئے اور چہرے سے نیند دور فرمائی پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی اس کے بعد دو رکعت پڑھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی تب پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے یہاں تک کہ جب مودن آپ کی خدمت میں آیا تو آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت پڑھ کر صبح کی فرض نماز ادا فرمائی

یہ حدیث مسلم مع نووی ج ۱ ص ۲۶۰ نسائی ص ۲۴۱ مؤطا مالک مع تنویر ج ۱ ص ۱۴۲ نیز ابوداؤد وغیرہ میں ہے علامہ عینی فرماتے ہیں ورواہ الائمۃ الستہ ج ۷ ص ۲۰۳ یعنی اس حدیث کو صحاح ستہ میں سارے ائمہ نے نقل فرمایا ہے:

اس حدیث میں سنت فجر اور سنت عشاء کے علاوہ بارہ رکعت پڑھنے کی صراحت موجود ہے، ابن عباسؓ کی اس مرفوع متصل روایت کے علاوہ زید ابن خالد الجعفی کی یہ روایت بھی حدیث عائشہ کے حصر کو باطل کر دیتی ہے۔

(۲) عن زید بن خالد الجعفی انه قال لارمقن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی ر کعتین خفیفین ثم صلی ر کعتین طویلین طویلین ثم صلی ر کعتین وهما دون اللتين قبلهما ثم صلی ر کعتین وهما دون اللتين قبلهما ثم صلی ر کعتین وهما دون اللتين قبلهما ثم اوتر فذلك

ثلث عشرة ركعة. (مسلم مع نووی ج ۱ ص ۲۶۲)

حضرت زید بن خالد جعفی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور غور سے دیکھوں گا فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دو رکعت معمولی نماز پڑھی اس کے بعد دو رکعت لمبی دراز یعنی بہت لمبی نماز ادا فرمائی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی جو پہلی دو رکعت سے کم دراز تھی اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھی جو اس کے پہلے والی سے کم دراز تھی اس کے بعد دو رکعت اور پڑھی جو اس کے پہلے والی سے دراز کم تھی پھر اس کے بعد دو رکعت پڑھی جو اس پہلے والی سے دراز کم تھی، پھر وتر ادا فرمایا تو یہ کل تیرہ رکعت ہوئیں۔

یہ روایت بھی مسلم کے علاوہ مؤطا مالک مع تنویر ج ۱ ص ۱۴۳ مشکوٰۃ ص ۱۰۶ ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ اور شمائل ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ دیکھئے عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۰۳

اس حدیث میں بھی علاوہ سنت فجر و سنت عشاء بارہ رکعت پڑھنا مذکور ہے، سنت فجر اور سنت عشاء اس میں شامل نہیں ہے دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۳ اور سنت فجر یا عشاء کا شامل کرنا حدیث کے ظاہر الفاظ کے خلاف بھی ہے کیوں کہ زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے قصداً جس نماز کے دیکھنے کا ارادہ فرمایا تھا وہ ان کے الفاظ میں رات کی نماز ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فجر کے وقت کے پہلے ہی وہ نماز پڑھی گئی تھی لہذا سنت فجر کو اس میں شامل کرنا زبردستی کی بات ہے اور سنت عشاء تو کوئی مخفی نماز نہ تھی کہ خواہ مخواہ حضرت زید اس کے دیکھنے کا قصداً اہتمام فرماتے اب یہ بھی غور فرمائیے کہ تیرہ رکعت تک جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں محدثین کی طرف سے

۱۔ مؤطا کے راویوں میں عیسیٰ بن عیسیٰ نامی ایک راوی ہیں جن سے روایت میں دو غلطیاں ہوئی ہیں اول یہ کہ پہلی دو رکعتوں میں انہوں نے خفیفین کی جگہ طویلین کہہ دیا ہے اور دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے طویلین طویلین دو مرتبہ کے بجائے تین مرتبہ کہہ دیا ہے اس میں عیسیٰ کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ ان کی غلطی ہے۔ لہذا ہمارے استدلال پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا (دیکھئے تنویر المالحا لک ج ۱ ص ۱۴۳)

اس قسم کی تاویل و توجیہ پیش کی گئی ہے:

- (۱) دو رکعت عشاء کی سنت بھی اس میں شامل کر لی گئی ہے
 - (۲) دو رکعت فجر کی سنت کو اس میں شمار کر لیا گیا ہے۔
 - (۳) وتر تین رکعتوں سے زیادہ پڑھی گئی تھی اس لئے تیرہ رکعتیں ہو گئیں ورنہ اصل نماز تو آٹھ ہی رکعت تھی لہذا رکعتوں کی زیادتی وتر میں ہوئی ہے نہ کہ تراویح میں۔
 - (۴) تراویح کی آٹھ رکعتوں سے قبل معمولی دو رکعت پڑھنے کا معمول تھا لیکن چونکہ وہ آٹھ لمبی رکعتوں سے مختصر ہوتی تھیں اس لئے بعض میں ان کا ذکر نہیں کیا اور بعض حدیثوں میں ان کا ذکر کر دیا گیا اس لئے آٹھ سے زیادہ رکعت ہو گئی ہے۔ اسی قسم کی تاویلات غیر مقلدین حضرات کی طرف سے بھی پیش کی جاتی ہیں چنانچہ مولوی علی احمد صاحب انظہار الحق الصریح ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:
- رہا تیرہ تو اس کے متعلق جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں محدثین کرام برابر صراحت کرتے چلے آئے ہیں کہ تیرہ رکعتوں میں بعض جگہ تو خود ہی حضرت عائشہ نے صراحت کر دی ہے فجر کی دو رکعت سنتوں کو لے کر تیرہ رکعتیں پڑھیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا گیا فقالت سبع وتسع واحدى عشرة سوئی رکعتی الفجر یعنی انہوں نے بتلایا کہ سات اور نو اور گیارہ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ تھی اس کے بعد ہی بخاری میں دوسری حدیث ہے یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة منها الوتر و رکعتی الفجر یعنی تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی ہوتی تھیں کہیں فجر کے علاوہ تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے تو اس میں فرض عشاء کے بعد سنتوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں پڑھا کرتے

تھے اس کی اور بھی کئی صورتیں ہیں جن سے گیارہ سے زیادہ کا حصر باطل نہیں ہوتا، انتہی بلفظہ۔

مولوی علی احمد صاحب نے اسی بات کو دوبارہ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ و صفحہ ۳۸ پر ذکر فرمایا ہے لیکن احمد صاحب کی یہ ساری تاویلیں غلط اور بے سود ہیں جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

اولاً

اس لئے کہ گذشتہ صفحات میں بخاری و دیگر کتابوں کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ بارہ رکعتیں وتر اور سنت فجر کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً آدھی رات کے وقت خواب سے بیدار ہو کر پڑھی ہیں لہذا سنت فجر کے شامل کرنے کا تو سوال ہی ختم ہو جاتا ہے رہی سنت عشاء کو شامل کرنے کی تاویل تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عشاء کی سنت کو بھی اس حدیث میں شامل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خواب سے بیدار ہو کر تقریباً آدھی رات کے وقت عشاء کی سنت کا ادا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے پھر زبردستی اس روایت میں اس کو شامل کرنا ایک بے بنیاد اور بالکل بے ثبوت بات ہوگی، البتہ کوئی غیر مقلد اگر سنت عشاء کو آدھی رات کے وقت خواب سے بیدار ہو کر پڑھنا ثابت کر دے تو اس روایت میں اس کا شامل کرنا درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

ثانیاً

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ پہلی دو رکعتیں جو معمولی اور ہلکی ہوتی تھیں وہ عشاء کے متصل نہیں پڑھی گئی تھیں بلکہ تراویح یا تہجد میں انہیں لمبی لمبی دس رکعتوں کے ساتھ ادا کی گئی تھیں کیا مولوی علی احمد یا کوئی دوسرے غیر مقلد صاحب کسی صحیح روایت سے اس بات کا ثبوت فراہم کر سکتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی تہجد کے ساتھ ملا کر عشاء کی سنت پڑھی ہے پھر محض کسی کے احتمال نکال دینے سے کوئی بات کیونکر درست ہو جائیگی جبکہ وہ بات ہی سرے سے بے ثبوت ہے علاوہ بریں عشاء کی سنت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں ادا فرماتے تھے جہاں ازواج مطہرات بھی ہوتی تھیں اور راوی زید بن خالد ہیں جو غیر محرم ہیں تو کیا حجرہ میں سنت عشاء پڑھتے ہوئے زید بن خالد دیکھ رہے تھے اور آپ کی ازواج مطہرات زید بن خالد جہنی سے پردہ نہ فرمایا کرتی تھیں؟ ان امور کے علاوہ بعض باتوں کی طرف اشارہ پہلے بھی کر چکا ہوں جن کی وجہ سے زید بن خالد کی حدیث میں سنت عشاء کے شامل کرنے کی تاویل محض بے کار اور بے بنیاد احتمال کے سوا کچھ نہیں ٹھہرتی۔

ثالثاً

حدیث میں سنت عشاء کمرہ میں پڑھنا تو ثابت ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ میں آتا ہے و رکعتین بعد العشاء فی بیتہ بخاری ج ۱ ص ۱۵۷ یعنی دو رکعت بعد نماز عشاء اپنے حجرہ میں ادا فرمایا کرتے تھے لیکن یہ بات تو کسی حدیث سے ثابت کرنا مشکل ہے کہ سوکراٹھنے کے بعد عشاء کی سنت ادا فرماتے تھے یا تہجد اور تراویح کے ساتھ آدھی رات میں ادا فرماتے تھے۔

رابعاً

مسلم مع نووی ج ۱ ص ۲۵۴ اور دوسری کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے علاوہ سنت فجر جو تیرہ رکعت پڑھنا منقول ہے اس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وهو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فیرکع ثم یصلی رکعتین بین النداء والاقامة من صلوة الصبح یعنی دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھ کر ادا فرمائی جاتی تھیں لہذا عشاء کی سنت کو ان

تیرہ رکعتوں میں شامل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وتر کے بعد بھی عشاء کی سنت پڑھنا درست ہے، کیا بعد وتر عشاء کی سنت بیٹھ کر پڑھنے کا جواز کسی صحیح حدیث سے غیر مقلد حضرات ثابت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو خواہ مخواہ سنت عشاء کو ان تیرہ رکعتوں میں شامل کرنا زبردستی کی بات نہیں تو اور کیا ہے۔

خامساً

سنت عشاء کو ان رکعتوں میں شامل کرنے کی تاویل کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں:

وتأولوا حدیث ابن عباس انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی منها رکعتی سنة العشاء وهو تأویل ضعیف مباعد الحدیث.

(مسلم مع نووی ج ۱ ص ۲۶۰)
لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں یہ تاویل کر لی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رکعتوں میں دو رکعت عشاء کی سنت بھی شامل کر لی تھی، یہ تاویل نہایت ضعیف ہونے کے علاوہ حدیث سے دور کر دینے والی بھی ہے۔
کیا غیر مقلدین حضرات اسی تاویل کو اختیار اور پسند فرماتے ہیں جو صرف یہ کہ حد درجہ کمزور ہے بلکہ عمل بالحدیث سے بھی دور کر دیتی ہے۔

سادساً

بارہ رکعت سنت عشاء و سنت فجر وتر کے علاوہ پڑھنا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح خود حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ مروی ہے تو پھر سنت عشاء یا سنت فجر کو اس میں شامل کرنا غلط ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مسلم مع نووی جلد اول ص ۲۵۶ و نسائی مجتہائی ص ۲۳۸ و بیہقی میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت موجود ہے:

إذا فاتته الصلوة من الليل من وجع أو غيره صلى من النهار
ثنتي عشرة ركعة. (مسلم ج ۱/ ص ۲۵۶)

فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے
رات کی نماز رہ جاتی تھی تو آپ دن میں بارہ رکعت قضا کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ رات والی نماز
چھوٹ جاتی تھی تو دن کے وقت ان کی قضا بارہ رکعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
پڑھا کرتے تھے اس سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ رات کی بارہ رکعتوں میں ہر وقت
سنت عشرہ یا سنت فجر شامل نہیں ہوتی تھی بلکہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ
تراویح اور تہجد دو الگ الگ نماز ہیں کیونکہ تراویح کی قضا نہ پڑھی جاتی ہے اور نہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کے برخلاف تہجد کی قضا اس حدیث
میں واضح طریقہ سے مذکور ہے لہذا ثابت ہوا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں اور
دونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تیرہ
رکعتوں والی احادیث میں یہ تاویل کرنا کہ وتر کی رکعتوں میں زیادتی ہوتی تھی یہ بھی
بالکل غلط ہے کیوں کہ اس روایت میں نہ وتر کی رکعتوں کا کوئی ذکر ہے نہ اس کی قضا کا
تذکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ وہ زیادتی تراویح یا تہجد کی رکعتوں میں ہوتی تھی نہ کہ وتر کی
اور وتر کی رکعتوں میں اضافہ اس لئے بھی غلط ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت میں
بحوالہ بخاری سات اور نو رکعتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے لہذا جب اس کی کو وتر کی
رکعتوں میں تسلیم نہیں کیا جاتا تو اضافہ بھی وتر میں کیوں مانا جائے جبکہ ظاہر یہی ہے کہ
کی اور زیادتی دونوں ایک ہی نماز میں ہوا کرتی تھی بنا بریں صحیح بات یہی ہے کہ اضافہ
اور کمی کبھی کبھی جو وقوع میں آئی ہے وہ درحقیقت تراویح یا تہجد کی ہی رکعتوں میں ہوئی

۱۔ اور اگر کوئی غیر مقلد اسی حدیث سے تراویح کی قضا پر استدلال کرے تو اس سے کہا جائیگا کہ
آٹھ رکعت میں تراویح کے حصر کا جو دعویٰ ہے پہلے اس کا غلط ہونا تسلیم کیجئے ورنہ آٹھ رکعت تراویح کی قضا
کے ثبوت کے لئے کوئی دوسری حدیث پیش فرمائیے۔ ۱۲

ہے نہ کہ وتر میں لہذا بعض محدثین نے جو چار تاویلیں پیش فرمائی تھیں ان میں سے تو
تین تو بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئیں کیوں کہ وہ ہر جگہ نہیں چسپاں کی جاسکتی
ہیں۔ البتہ آخری ایک توجیہ کچھ قوت رکھتی ہے اور بہتر معلوم ہوتی ہے چنانچہ متعدد
محدثین نے اس کو راجح اور مختار بھی فرمایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
حدیث عائشہ کے اضطراب کو بیان کرتے ہوئے اس کے دور کرنے کے لئے اس
تاویل کا تذکرہ بایں الفاظ فرما رہے ہیں:

سیاتی بعد خمسة ابواب ان رواية ابى سلمة عنها ان ذلك
كان اكثر ما يصليه في الليل ولفظه ما كان يزيد في رمضان ولا غيره
على احدى عشرة الحديث وفيه ما يدل على ان ركعتي الفجر من
غيرها فهو مطابق رواية القاسم واما ما رواه الزهري عن عروة عنها
كما سيأتي في باب ما يقرأ في ركعتي الفجر بلفظ ان يصلي بالليل
ثلاث عشرة فظاهره يخالف ما قدم فتحتل ان تكون اضافت الى
صلوة الليل سنة العشاء لكونه يصليها في بيته وما كان يفتح به صلوة
الليل فقد ثبت عند مسلم من طريق سعد بن هشام عنها انه كان يفتتها
بركعتين خفيفتين وهذا ارجح في نظري لان رواية ابى سلمة التي
دلت على الحصر في احدى عشرة جاء في صفتها عند المصنف
وغيره يصلي اربعاً ثم اربعاً ثم ثلاثاً فدل على انها لم تتعرض للركعتين
الخفيفتين وتعرضت لهما في رواية الزهري والزيادة من الحافظ
مقبولة وبهذا يجمع بين الروايات. (فتح الباری ص ۶۰۱ ج ۵)

پانچ بابوں کے بعد قریب میں ہی ابوسلمہ کی روایت حضرت عائشہ سے
آ رہی ہے کہ گیارہ رکعت پڑھنا اکثری معمول تھا اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ
پڑھا کرتے تھے مگر زیر بحث روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان گیارہ رکعتوں

میں فجر کی سنت شامل نہ ہوتی تھی بنا بریں یہ روایت حضرت قاسم کی روایت کے مطابق ہے لیکن زہری نے جو عروہ کے واسطے سے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے جس کا ذکر باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر میں بایں الفاظ آرہا ہے کہ حضور رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے تو یہ حدیث بظاہر گزشتہ روایت کے خلاف ہے لیکن ممکن ہے حضرت عائشہ نے اس تیرہ والی روایت میں عشاء کی سنت بھی شمار کر لی ہو کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی سنت حجرہ مبارکہ میں ہی پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہ نے ان دور رکعتوں کو شامل کر لیا ہو جو صلوٰۃ اللیل کے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جیسا کہ مسلم کے اندر سعد بن ہشام نے خود حضرت عائشہ سے ہی اس بات کو روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دو معمولی اور ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے میری نگاہ میں یہی تاویل زیادہ راجح ہے اس لئے کہ ابوسلمہ کی روایت جس کے ذریعہ گیارہ رکعت کے حصر پر استدلال کیا جاتا ہے اسکی کیفیت امام بخاری اور دوسرے محدثین کے نزدیک یہ آئی ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھتے تھے پھر چار رکعت پڑھتے تھے اس کے بعد تین رکعت پڑھتے تھے تو یہ چار چار کی کیفیت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ نے دو ہلکی رکعتوں کا جواب بتا دیا میں پڑھی جاتی تھیں ان کا تذکرہ ابوسلمہ کی گیارہ والی حدیث میں چھوڑ دیا ہے اور ان کا تذکرہ زہری والی حدیث میں کر دیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ صحیح الحفظ راوی کی زیادتی قبول کر لی جاتی ہے نیز اس توجیہ کے ذریعہ حضرت عائشہ کی تمام روایتوں میں جمع و توفیق بھی ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر کے اس طویل بیان سے دو باتیں بالکل صاف طریقہ پر معلوم ہو جاتی ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ حدیث عائشہ جس سے سرسری طریقہ پر گیارہ رکعتوں میں حصر سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت حصر نہیں ہے بلکہ اکثری معمول ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے جن روایتوں میں تیرہ رکعتیں منقول

ہیں ان میں راجح یہی ہے کہ سنت عشاء یا سنت فجر شامل نہیں ہیں بلکہ وہ دو رکعتیں شامل ہیں جو صلوٰۃ اللیل کی ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے تاکہ چستی پیدا ہو جائے اور نیند کا غلبہ دور کر کے نشاط کے ساتھ بقیہ رکعتوں کو ادا کیا جاسکے ان دور رکعتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی شمار کر لیا اور کبھی ان دور رکعتوں کو شمار نہیں کیا ہے جن روایتوں میں تیرہ رکعتوں کا تذکرہ ہے ان میں یہ دونوں رکعتیں شامل کر لی گئیں ہیں اور جن میں گیارہ کا تذکرہ ہے ان میں یہ دونوں رکعتیں شمار نہیں کی گئی ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ گیارہ کا حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ وہ عادت غالبہ اور اکثری معمول کی ایک تعبیر ہے اس کو حقیقی حصر سمجھ کر زیادتی کا انکار کرنا غلط ہے یہی بات حافظ ابن حجر کے نزدیک راجح و مختار ہے دوسرے محدثین نے بھی اسی تاویل کو پسند فرمایا ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری جو غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

فالا حسن فی الجواب ان یقال انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یفتح صلوٰۃ باللیل برکعتین خفیفین کما فی هذا الحدیث وروی مسلم عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل افتتح صلوٰۃ برکعتین خفیفین وروی ایضاً عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قام احدکم من اللیل فلیفتح صلوٰۃ برکعتین خفیفین فقد عدت ہاتان الرکعتان الخفیفتان فصار قیام اللیل ثلاث عشرة رکعة ولما لم تعد لما کان رسول اللہ علیہ وسلم یخففہما صار احدی عشرة رکعة واللہ اعلم۔

(تحفة الاحوذی ص ۷۴ / ج ۲)

بہتر جواب یہی ہے کہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صلوٰۃ اللیل دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث زید بن خالد جہنی میں آیا ہے اور مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنی نماز دو مختصر رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ نیز مسلم ہی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ان کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص صلوٰۃ اللیل کا ارادہ کرے تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے لہذا جب ان دو ہلکی رکعتوں کو شمار کر لیا گیا تو قیام اللیل کی تیرہ رکعتیں ہو گئیں اور جب ان دونوں رکعتوں کو اس وجہ سے شمار نہ کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مختصر طریقہ پر ادا کرتے تھے تو قیام اللیل کی گیارہ رکعتیں ہوئیں۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری کے اس بیان سے بھی وہی دونوں باتیں معلوم ہوئیں جن کا تذکرہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے تحت آچکا ہے لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بالکل اسی خیال کا اظہار علامہ زرقانی نے حافظ بن حجر کے انداز میں فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

فيحتمل انها اضافت صلوٰۃ الى الليل سنة العشاء لانه كان يصليها في بيته او ما كان يفتح به صلوٰۃ الليل كما في صحيح مسلم من طريق سعد بن هشام انه كان يفتحها بر كعتين خفيفتين وهذا ارجح في نظري. (تحفة الاخيار ص ۲۱۲)

ممکن ہے حضرت عائشہؓ نے تیرہ والی حدیث میں عشاء کی سنت بھی شامل کر لی ہو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے حجرہ میں ادا فرماتے تھے یا حضرت عائشہؓ نے تیرہ والی حدیث میں ان دو رکعتوں کو شمار کر لیا ہو جو رات کی نماز کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں سعد بن هشام کے طریق سے مروی ہے کہ رات کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو معمولی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے یہی بات میرے خیال میں قابل ترجیح ہے۔

محدثین کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کا حصر اپنے ظاہر حال پر باقی نہیں ہے جس کا غیر مقلد حضرات کو دعویٰ ہے بلکہ

جملہ محققین کے نزدیک کم از کم دس رکعتیں وتر نیز سنت فجر اور سنت عشاء کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہے جس کا انکار کا مطلب بے شمار صحیح، مرفوع، متصل حدیثوں کی تکذیب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے بنا بریں حصر کا دعویٰ باطل ہے اور آٹھ سے زائد رکعتوں کا ثابت ہونا جملہ محدثین کی نگاہ میں راجح اور صحیح ہے۔

غیر مقلدین کا دعویٰ حصر باطل ہے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رکعات کی تعداد کے متعلق جو مختلف روایتیں بسند صحیح منقول ہیں ان کے درمیان جمع و تطبیق کے سلسلہ میں محدثین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ ملاحظہ کر چکے جن کا حاصل یہی نکلتا ہے آٹھ رکعتوں میں حصر کا ماننا کسی حالت میں درست نہیں ہے اور کم از کم دس رکعتوں کا تسلیم کرنا ایک ناگزیر حقیقت ہے جن میں وہ دو رکعتیں بھی شامل ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد یا تراویح کی ابتداء فرمایا کرتے تھے اگرچہ بحوالہ مسلم بارہ رکعت کا رات میں پڑھنا اور کسی وجہ سے چھوٹ جانے کی صورت میں بارہ رکعت سے اس کی قضا کرنا گزر چکا ہے جس کے بعد آٹھ رکعت میں حصر کا دعویٰ علم حدیث سے بے خبری یا تجاہل عارفانہ ہی کہا جائے گا لیکن آئندہ صفحات میں آٹھ رکعت میں حصر کے دعویٰ کا باطل ہونا دوسری صحیح روایات کے ذریعہ بھی واضح کیا جائیگا اور اس وقت یہ بات روشن ہو جائیگی کہ محدثین نے جس تاویل کو قابل ترجیح اور احسن فرمایا ہے وہ اگرچہ دوسری تاویلوں کی نسبت سے ان کے کہنے کے مطابق ویسے احسن ہی ہے لیکن اس سے بھی بہتر اور بے غبار حقیقت وہی ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے صواب فرمایا ہے یعنی یہ کہ مختلف اوقات اور متعدد واقعات پر رکعتوں کے اختلاف کو محمول کیا جائے اس طرح حضرت عائشہؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے جو روایتیں مروی ہیں ان سب کے درمیان جمع و تطبیق ہو جائے گی اور سب روایتیں مختلف اوقات پر فٹ کر لی جائیں گی جس کے بعد اختلاف و تضاد کا کوئی سوال ہی باقی نہیں

رہتا ہے اگر حدیث میں لفظ کُنا کی وجہ سے دوام نظر آ رہا ہو تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ لفظ ”کُنا“ ہمیشہ دوام واستمرار ہی کا معنی نہیں دیا کرتا ہے بلکہ ایک مرتبہ فعل کا وقوع پذیر ہو جانا بھی اس لفظ کے مفہوم کو ادا کر دیتا ہے چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان المختار الذی علیہ الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لا یلزم منها الدوام ولا التکرار وانما هی فعل ماضی یدل علی وقوعه مرة . (نووی ج ۱/ ص ۲۵۴) .

بلاشبہ مذہب مختار جس پر اکثر لوگ ہیں اور جو اصولیین میں سے محققین کا مذہب ہے وہ یہ ہیکہ لفظ کُنا کے لئے دوام و تکرار ضروری نہیں ہے بلکہ یہ لفظ تو فعل ہے جو ایک مرتبہ کے وقوع پر دلالت کرتا ہے اور بس۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ کُنا صرف ایک بار وقوع فعل چاہتا ہے تو گویا یہ موجبہ جزئیہ ہے یعنی ایجاب و جزئی پر دلالت کرتا ہے لہذا ”ما کان“ جو اس کا سلب ہے وہ سالبہ جزئیہ اور جزئی نفی پر ہی دلالت کریگا بنا بریں ”ما کان“ سے دوام مراد لینا اسی طرح باطل ہے جس طرح سعید بن المسیب کی روایت میں لم تبق سے سلب کلی اور انکار مطلق مراد لینا غلط ہے بلکہ دونوں جگہوں پر اکثری حکم ہی مراد لینا درست ہے جیسا کہ محدثین نے اس کی صراحت کر دی پھر ان بحثوں سے قطع نظر کرتے ہوئے درج ذیل باتوں پر غور کرنے سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ خود حضرت عائشہ دوا می عمل کیوں کر بیان فرما سکتی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات کے حجروں میں جب رات گزارنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معلوم اور ضروری معاملہ ہے تو پھر حضرت عائشہ ہمیشہ کے معمول پر کیسے مطلع ہو سکتی ہیں کہ وہ دوا می عمل

۱۔ اگر بالفرض لفظ ”کان“ سے دوام واستمرار سمجھا جائے گا تو تیرہ اور سولہ اور بیس رکعتوں والی روایتوں میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ ۱۲۔

روایت فرمائیں گی لہذا دوا می عمل کی نقل حضرت عائشہ کی طرف منسوب کرنا خود حضرت عائشہ کے لئے خلاف شان ہے کیونکہ دوا می اطلاع کے بغیر دوام کی روایت کرنا غیر محتاط لوگوں سے تو ممکن ہے لیکن حضرت عائشہ کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں بسا اوقات کسی زوجہ مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ کے بغیر راتوں میں رہنا معلوم اور یقینی امر ہے، ظاہر ہے ان راتوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہوگی پھر حضرت عائشہ کا ہر رات کی رکعتوں پر مطلع ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے ایسی صورت میں وہ ہر رات کی نماز کی رکعتوں کو اور دوا می معمول کو کیوں کر بیان فرمائیں گی؟

(۳) خاص حضرت عائشہ کے حجرہ میں بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دائمی طور پر بفرض محال تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہمیشہ رات کی نماز کی رکعتوں کا ان کے علم میں آ جانا مشکل بات ہے کیونکہ وہ خود فرماتی ہیں کہ بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ حضور ہمارے حجرہ میں رات کے وقت نماز میں مشغول ہوتے تھے اور میں بے خبر سوئی رہتی تھی حتیٰ کہ جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھ کو اس وقت بیدار کر دیتے اور میں بیدار ہو جاتی تھی اس وقت گھر میں چراغ بھی نہ ہوتا تھا غور کرنے کی بات ہے اندھیرے کمرہ میں سویا رہنے والا آدمی رکعتوں کی تعداد پر ہمیشہ مطلع کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے دوا می اطلاع کے بغیر حضرت عائشہ کی طرف اس کی روایت منسوب کرنا ان کی شان رفیع میں بہت بڑی جسارت ہے اور حضرت عائشہ کی تکذیب ہے کیونکہ وہ فرماتی ہیں:

کان یصلی صلوٰتہ باللیل وہی معترضة بین یدیہ فادابقی الوتر ایقظھا فاوترت . (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضور رات کی نماز میں مشغول رہتے تھے اور وہ ان کے سامنے سوئی رہتی تھیں حتیٰ کہ جب صرف وتر باقی رہ جاتا تو حضور انکو بیدار کر دیتے اور وہ وتر ادا فرماتی تھیں۔

یہی حدیث بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

قالت كنت انام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلای فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت واذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. (بخاری اول ص ۵۶)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی میرے دونوں پاؤں حضور کے قبلہ کی جانب ہوتے تھے حضور سجدہ میں جاتے میرے پاؤں دبا دیتے میں اپنے دونوں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب حضور کھڑے ہو جاتے میں اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیتی تھی نیز حضرت عائشہ ہی کا بیان ہے کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

یہ حدیث مؤطا امام مالک مع تنویر ص ۱۳۹ جلد اول پر بھی موجود ہے کیا کوئی شخص ہوش و حواس قائم رہتے ہوئے حضرت عائشہ کی کسی روایت سے ان کے اس مستند بیان کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ انہوں نے حضور کا دائمی معمول نقل فرمایا ہے یا یہ کہ ان کو ہمیشہ رکعتوں کی تعداد کا علم ہو جاتا تھا اس جگہ یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اب تک کی ساری گفتگو تو صرف ان روایات کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہیں یا صرف اتنی رکعتوں کو بیان کرتی ہیں جو حضرت عائشہ سے منقول ہیں اور وہ روایتیں بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک میں مروی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں لیکن اگر دائرہ گفتگو میں تھوڑی وسعت سے کام لیا جائے اور تمام ذخیرہ حدیث کی روشنی میں رکعتوں کی تعداد معلوم کی جائے تو حصر کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف توجیہ کا سہارا بھی باقی نہیں رہ سکتا ہے اور اس بات کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں

ہے کہ رکعتوں کا اختلاف مختلف حالات اور واقعات کی وجہ سے روایتوں میں پیدا ہو گیا ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل کی زیادات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل ست عشرة ركعة سوى المكتوبة.

ہیشمی ج ۲/ ص ۲۷۲، تہذیب التہذیب ج ۵/ ص ۴۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں فرض نماز کے علاوہ سولہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر کے استاد علامہ بیہقی فرماتے ہیں رجالہ ثقات یعنی اس حدیث کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہیں علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں اسنادہ حسن (عمدة القاری ج ۲/ ص ۲۰۳)

یعنی اس حدیث کی سند حسن ہے نیز حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو قبول کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل ظاہر کیا ہے ان کا رد فرماتے ہیں اور اس حدیث کی صحت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت تعصب الجوز جانی علی اصحاب علی معروف ولا انکار علی عاصم فیما روی هذه عائشة اخص ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقول لسانها عن شیء من احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سل علیا فلیس بعجب ان یروی الصحابی شینا یرویہ غیرہ من الصحابة بخلافه ولا سيما فی التطوع.

(تہذیب التہذیب ج ۵/ ص ۴۶)

میں کہتا ہوں کہ جوز جانی کا تعصب حضرت علیؑ کے شاگردوں کے معاملہ میں مشہور و معلوم ہے حالانکہ حضرت عاصم بن حمزہ جنہوں نے یہ سولہ رکعت کی روایت کی ہے اس میں ان پر انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ حضرت عائشہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی بہت خاص ازواج میں سے ہیں مگر جب کوئی شخص ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتا تو فرمادیتی تھیں کہ حضرت علیؓ سے معلوم کر لو لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ ایک صحابی کسی بات کو ایک طرح نقل کرے اور دوسرا اس کے خلاف اسی بات کو دوسری طرح نقل کرے خاص کر نفل نماز کے متعلق تو تعجب کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے بیس رکعت کو اشارتاً تسلیم کر لیا ہے

اس حدیث سے کسی تاویل کے بغیر سولہ رکعت پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان سولہ رکعتوں میں وہ دو مختصر اور معمولی رکعتیں شمار نہیں کی گئی ہیں جو رات کی نماز کے ابتداء میں پڑھنے کا معمول تھا اور وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز بھی اس میں شامل نہیں ہے جیسا کہ بحوالہ مسلم پہلے یہ دونوں بات گذر چکی ہے لہذا ان چار رکعتوں کو شامل کر لینے کے بعد بیس رکعت تراویح بسند صحیح یا کم از کم بسند حسن ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے بلکہ اس سے زائد کی روایت کے قبول کرنے میں بھی حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق تردد کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام کسی بات کے نقل کرنے میں مختلف ہو ہی جاتے ہیں بالخصوص نماز نفل کے بارے میں تو اس کی بہت گنجائش ہے، اور ابن حجر کی اس تصریح سے حدیث ابن عباسؓ کے قبول کرنے کی تائید ہوتی ہے لہذا بیس رکعتوں کے لئے انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی اور نہ روایت ابن عباسؓ کو دوسری صحیح حدیثوں کے معارض و مخالف کہہ کر رد کرنے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے جب کہ یہ بات اپنی جگہ سب کو معلوم ہے کہ رکعتوں کا اختلاف کسی ایک ہی واقعہ کے سلسلہ میں نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات سے متعلق ہے حدیث ابن عباسؓ پر تو تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی یہاں صرف اس مناسبت سے اس کا نقل کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ ابن حجر نے اس کو قبول کرنے کی طرف بھی اپنی آخری عبارت میں اشارہ کر دیا ہے حضرت ابن عباسؓ کی

روایت یہ ہے:

قال كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر۔ (بیہقی اول ص ۴۹۶)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

ان احادیث اور ان سے متعلق محدثین کرام کی تصریحات کو سامنے رکھنے کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار ہو جاتی ہے کہ جو لوگ حنفیوں کی مخالفت میں صرف آٹھ ہی رکعتیں ہمیشہ پڑھتے ہیں اور صرف اسی مقدار کو جائز و سنت سمجھتے ہیں اس سے زائد کو کسی طرح روا نہیں سمجھتے وہ نہ صرف یہ کہ حدیث ابن عباسؓ کے خلاف کرتے ہیں بلکہ بے شمار دوسری صحیح مرفوع متصل روایتوں کی تکذیب بھی کرتے ہیں یا کم از کم یہ کہ ان روایتوں پر ان کا عمل نہیں ہو پاتا ہے اس لئے اگر ان کو کہا جائے کہ وہ عامل بالحدیث نہیں بلکہ تارک حدیث ہیں تو کوئی بیجا نہ ہوگا پس حدیث ابن عباسؓ کو ضعیف کہہ کر آٹھ سے زائد رکعتوں کے ثبوت سے وہ اپنی گلو خلاصی کیلئے اور انکار حدیث کے لئے جو راستہ اختیار کرتے ہیں وہ نہایت شرمناک ہے اور صحیح حدیثوں کی تضحیک کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

اس جگہ ایک مغالطہ بھی بعض غیر مقلدین حضرات دیا کرتے ہیں وہ یہ کہ اگر بیس رکعتوں کے پڑھ لینے سے آٹھ رکعتوں کی حدیث پر عمل ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں بیس کی تحدید کیوں ہے چالیس اور چھتیس رکعتیں کیوں نہ پڑھی جائیں تاکہ بیس رکعتوں اور آٹھ رکعتوں کی حدیثوں پر بھی عمل ہو جائے اور علماء کے اختلاف سے بھی بچا جاسکے۔

اس مغالطہ کی بنیاد دراصل ایک فریب پر ہے جس کا جواب یہ ہے کہ بیس

رکعت اگرچہ بسند ضعیف ہی سہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں بالخصوص صحابہ کرام کے تعامل سے جب کہ اس کا ضعف بھی زائل ہو جاتا ہے اور بیس رکعتیں سنت ہو جاتی ہیں لہذا اس تعداد کی تحدید سنیت کی وجہ سے ہے نہ کہ جواز کے لئے اور بالفرض سنت رسولؐ نہ بھی ہو تو بیس رکعت جمہور صحابہ کی سنت تو ہے ہی بنا بریں بیس رکعتوں کی تحدید اس لئے ہے کہ وہ سنت سمجھ کر پڑھی جاتی رہی ہیں محض جواز چالیس اور چھتیس کے لئے تو ہو سکتا ہے مگر بیس سے زائد رکعتوں کا کسی ضعیف سند سے بھی سنت رسولؐ ہونا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحیح سند سے سنت صحابہ ہونا ہی پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے اس لئے بیس کی تحدید اپنی جگہ ایک معقول وجہ رکھتی ہے جو بیس سے زائد کے لئے ہرگز موجود نہیں ہے مگر غیر مقلدین حضرات سنیت اور جواز کے اس فرق کو یا تو محسوس ہی نہیں کرتے اور یا پھر قصد آلوگوں کو فریب میں ڈالنا چاہتے ہیں اس وضاحت کے بعد یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں رہ جاتی کہ رکعتوں کے سلسلہ میں تمام حدیثوں پر اگر عمل ہے تو حنفیہ کا ہے غیر مقلدین کا عمل صرف بعض حدیثوں پر ہے تمام حدیثوں کے لحاظ سے تو وہ تاریکین حدیث ہی کہلانے کے مستحق ہیں حقیعیات بالحدیث احناف ہیں جنہوں نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ جس سے تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے یعنی بیس رکعت پر عمل کر لینے والا سنت رسولؐ جو آٹھ رکعت ہے اس پر عمل کر لیتا ہے۔

احناف کی دلیل تہجد اور تراویح کے فرق پر منحصر نہیں ہے

ناظرین کو یہ بات خیال رکھنی چاہیے کہ اب تک کی ساری بحثیں یہ فرض

۱۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کو خود غیر مقلدین کے جلیل القدر عالم نواب صدیق خان صاحب نے تسلیم کیا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں مقصود آنکہ یازدہ رکعت از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروی گشت و ست رکعت زیادت عمر بن الخطاب است و سنت نبویہ در زیادت عمر مغفور پس آتی بہ زیادت عامل بہ سنت ہم باشد (ہدایہ السائل ص ۱۳۸۶)

کر لینے کے بعد کی گئی ہیں کہ نماز تہجد اور نماز تراویح دونوں ایک ہی نماز ہیں جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا دعویٰ ہے اگرچہ اپنی جگہ اس بات کا قوی امکان ہے بلکہ دلائل وقرائن کی روشنی میں دونوں نمازوں کا الگ الگ دو نماز ہونا ہی درست ہے جیسا کہ بعض جگہوں پر اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے تاہم چونکہ ہمارے اصل مدعا کے ثبوت پر دونوں نمازوں کو ایک فرض کر لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور بنیادی حقیقت کا انکشاف اس پر منحصر نہیں تھا اس لئے ہم نے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی گفتگو اسی مفروضہ پر شروع کی ہے کہ دونوں نماز ایک ہی ہیں مگر اب گذشتہ حدیثوں میں جس نماز کا ذکر ہے اس کو نماز تہجد پر محمول کر کے خاص ان حدیثوں پر بحث کی جاتی ہے جن سے خصوصیت کے ساتھ باجماعت رمضان میں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے اس سلسلہ میں وارد شدہ تمام روایتیں جو مستند ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے یہ روایتیں درج ذیل صحابہ کرام سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ (بخاری جلد ۱ ص ۱۶۹ و مسلم ج ۱ ص ۲۵۹) اس روایت میں تین راتوں کے اندر باجماعت نماز تراویح پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے اور چوتھی رات باجماعت کیلئے تشریف نہ لانے کا ذکر ہے لیکن رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابو ذرؓ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲ وغیرہ) اس حدیث میں ایک سال رمضان کی تحسیویں، پچیسویں اور ستائیسویں راتوں میں باجماعت نماز تراویح ادا کرنا منقول ہے لیکن رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ (مسلم بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۷۷) اس روایت میں بھی رکعتوں کی تعداد کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۱۴)

اگرچہ اس روایت میں رمضان کا ذکر نہیں ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ واقعہ رمضان ہی کا ہے مگر اس حدیث میں بھی رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۵) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (نسائی اول ص ۱۸۲) اس میں رمضان کی تیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز تراویح پڑھنا مذکور ہے لیکن رکعتوں کی تعداد منقول نہیں ہے۔

(۶) حضرت جابرؓ (ابن حبان وابن خزیمہ وغیرہ بحوالہ فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷) اس روایت میں صرف ایک رات باجماعت نماز تراویح پڑھنے کا ذکر ہے اور آٹھ رکعتوں کی تعداد بھی وارد ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے صرف ایک ہی رمضان میں تراویح باجماعت ادا فرمائی ہے؟

جن صحابہ کرام کے اسمائے گرامی واقعہ کی روایت کے سلسلہ میں اوپر شمار کرائے گئے ہیں ان تمام صحابہ نے کسی ایک ہی واقعہ کو نقل فرمایا ہے یا چند واقعات ہیں اور ایک سے زائد مرتبہ باجماعت تراویح آپ نے ادا فرمائی ہے جس کو مختلف صحابہ نے اپنے اپنے علم کے اعتبار سے نقل کر دیا ہے اسی لئے روایتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے محدثین کے یان اور قرائن و حالات سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے جملہ روایات میں کسی ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات ہیں جن کا تذکرہ ان روایتوں میں کیا گیا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کو نقل فرمایا ہے وہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جس کو حضرت عائشہؓ بیان فرما رہی ہیں، حافظ ابن حجر

عسقلانی اس کی تصریح فرماتے ہیں۔

والظاهر ان هذا كان في قصة اخوى. (فتح الباری ص ۵۹۷ ج ۵) ظاہر یہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کی روایت فرمائی ہے وہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی جس رات کا واقعہ نقل کیا ہے ممکن ہے یہ وہی رمضان ہو جس کا واقعہ حضرت عائشہؓ نے نقل فرمایا ہے اور اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ یہ رات کسی دوسرے رمضان کی ہو اور یہ واقعہ ہی دوسرا ہو اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ تسلیم کیا جائے تو بھی حضرت جابرؓ کی روایت میں صرف ایک رات کی جماعت کا ذکر ہے اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ کی روایت میں تین راتوں میں جماعت کا ہونا صراحت کے ساتھ مذکور ہے اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں۔

فان كانت القصة واحدة احتمل ان يكون جابر ممن جاء في الليلة الثالثة فلذلك اقتصر على وصف ليلتين.

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷)

اگر حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کا واقعہ ایک ہی ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت جابرؓ ان لوگوں میں ہوں جو تیسری رات جماعت میں شریک ہوئے یہی وجہ ہے حضرت جابرؓ نے صرف دو ہی راتوں کے متعلق بیان دیا ہے اور پہلی دو راتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

دوسری بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ ان تمام روایتوں میں جن کے اندر مختلف صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت سے رمضان میں نماز تراویح ادا فرمانا نقل کیا ہے ان میں دوسری چیزوں کی تفصیل تو مذکور ہے لیکن کسی صحیح روایت میں رکعتوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے البتہ ان تمام روایتوں کے درمیان حضرت جابرؓ

کی روایت ایسی ہے کہ جس میں ایک رات آٹھ رکعت پڑھنے کا بیان موجود ہے مگر یہ روایت ہی سرے سے صحیح نہیں ہے، اور ان کے علاوہ کسی صحابی نے رکعتوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت کے ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

ولم جاء في بشيء من طرق بيان عدد صلواته في تلك الليالي

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷)

حضرت عائشہؓ والی حدیث کے کسی طریق میں ان رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں ادا فرمائی تھیں۔

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی روایت کے متعلق مولانا عبد الرحمن صاحب مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم انه لم يرد في حديث ابى ذر هذا بيان عدد الركعات التي صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك الليالي.

(تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۷۳)

خوب ذہن نشیں کر لو کہ حضرت ابوذرؓ کی اس حدیث میں ان رکعتوں کی تعداد کا ذکر نہیں آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں ادا فرمائی ہے۔

حدیث جابرؓ قابل احتجاج نہیں ہے

دیگر صحابہ کرام سے جو روایتیں ہیں ان میں سے بھی کسی میں ان رکعتوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جو ان راتوں میں باجماعت ادا کی گئی ہیں اگر غیر مقلدین حضرات کے علم میں حدیث جابرؓ کے علاوہ کوئی روایت موجود ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔ باقی رہا حضرت جابرؓ کی روایت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ وہ حدیث رکعتوں کی تعداد کے معاملہ میں قابل احتجاج ہے ہی نہیں جس کی درج ذیل

وجوہات ہیں:

(۱)

صحاح کی وہ حدیثیں جن کے اندر ان راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باجماعت نماز تراویح ادا کرنا وارد ہے وہ سب کی سب رکعتوں کی تعداد سے بالکل خاموش ہیں ایسی صورت میں حضرت جابرؓ کی روایت کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس روایت میں رکعتوں کی تعداد کا اضافہ دوسری صحیح حدیثوں کے معارض و مخالف کہا جائے گا یا ان پر زیادتی شمار کی جائیگی۔ تعارض کی صورت میں حدیث جابرؓ قابل اعتبار ہی نہیں ٹھہرتی ہے کیوں کہ وہ عیسیٰ بن جاریہ راوی کے منکر ہونے کی وجہ سے سخت قسم کی ضعیف روایت ہے اور ظاہر ہے احادیث صحاح کے مقابلہ میں ضعیف کا اعتبار نہیں ہوتا اور اگر زیادتی تسلیم کر لی جائے تب بھی حدیث جابرؓ سے اس زیادتی کا جواز ممکن نہیں اس لئے کہ عیسیٰ بن جاریہ غیر ثقہ اور ضعیف الحفظ ہے جس کی زیادتی قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ لیکن ضعیف الحفظ اور غیر ثقہ ہونے کے باوجود اگر اس زیادتی کو قبول کر لیا جائے تو پھر حدیث ابن عباسؓ کی زیادتی کیوں قبول نہ کی جائے گی جس کا ضعف تعامل و توارث اور دوسرے قرائن کی وجہ سے ختم بھی ہو جاتا ہے بالخصوص جب کہ حدیث ابن عباسؓ میں صحیح حدیثوں کے تعارض کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ صحاح کی تمام حدیثوں میں باجماعت نماز ادا کرنے کا واقعہ منقول ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں جماعت کے بغیر نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے بس دونوں دو الگ الگ واقعہ سے متعلق ہیں البتہ حدیث جابرؓ میں چونکہ باجماعت ہی نماز کا ذکر ہے اس لئے اس کا احادیث صحاح کے معارض و مخالف ہونا عین ممکن ہے۔

(۲) حدیث جابرؓ کو بغرض محال قابل احتجاج تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف

ایک رات میں آٹھ رکعتوں کا پڑھنا معلوم ہو سکتا ہے بقیہ دو راتوں کے متعلق اس سے رکعتوں کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی روشنی نہیں ملتی۔ اس لئے تمام راتوں کی رکعتوں کی تعداد کیلئے حدیث جابرؓ کو استدلال میں پیش کرنا خود حدیث جابرؓ کے خلاف استدلال کرنا ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف ایک رات کی جماعت کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد دوم ص ۳۱۱ پر حدیث جابرؓ کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

عن عیسیٰ بن جابر عن جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان فی القابلة اجتمعنا ورجونا ان ینخرج فلم نزل حتی اصبحتنا قال فدخلنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یتخرج الینا فقال انی کرهت ان یکتب علیکم الوتر اسنادہ وسط۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱)

عیسیٰ بن جابر یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رمضان میں ایک رات آٹھ رکعتیں نماز پڑھائیں اور وتر بھی پھر جب اگلی رات ہوئی اور ہم سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہم سب پر امید تھے کہ حضور ﷺ نکلیں گے لہذا ہم سب صبح تک ٹھہرے رہے کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اعتکاف والے حجرہ میں) آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ مسجد میں جمع تھے اور امید رکھتے تھے کہ آپ ہماری طرف تشریف لائیں گے اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ وتر تم پر فرض کر دی جائے۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں اس روایت کی سند وسط ہے۔

اس روایت میں حضرت جابرؓ نے صراحت فرمائی ہے کہ جماعت سے میں نے صرف ایک رات نماز ادا کی تھی دوسری رات حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف ہی نہ لائے، حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت جابرؓ صرف تیسری رات جماعت میں شریک ہوئے تھے پہلی ان دونوں راتوں کی جماعت میں وہ شریک نہ ہو سکے تھے جن کا تذکرہ حضرت عائشہؓ وغیرہا کی صحیح حدیثوں میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے صرف دو راتوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے ایک اس رات کی جس میں وہ بذات خود شریک جماعت تھے دوسری اس رات کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تھے چنانچہ یہ وضاحت خود حضرت جابرؓ کی روایت میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن اسکے باوجود حدیث جابرؓ کو تینوں رات باجماعت پڑھی جانے والی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے معاملہ میں دلیل بنانا کس قدر حیرت کی بات ہے لہذا مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری کا حدیث جابرؓ سے یہ استدلال کسی طرح درست نہیں ہے اور ان کا مندرجہ ذیل بیان ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، فرماتے ہیں۔

لکن قد ورد بیانہ فی حدیث جابر وهو انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی تلك الليالي ثمان رکعات ثم اوتر۔

(تحفة الاخوان ج ۲ ص ۷۳)

لیکن رکعتوں کی تعداد کا تذکرہ حدیث جابرؓ میں آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں آٹھ رکعت پڑھی اس کے بعد وتر ادا فرمائی تھی۔ غور فرمائیے حدیث جابرؓ میں صرف لیلة ایک رات کی تصریح موجود ہے مگر کتنی دلیری کے ساتھ اس کو مولانا عبدالرحمن صاحب نے ”لیالی“ بنا دیا ہے کیا یہ بات ان کی علمی ثقافت کے لئے باعث عار نہیں ہے؟

(۳) حدیث جابر کے ذریعہ ان صحیح حدیثوں پر اضافہ اس لئے بھی درست نہ ہوگا کہ اس بات کا بھی قوی امکان موجود ہے کہ حدیث جابرؓ والا واقعہ دوسرا ہو اور ان حدیثوں میں جس واقعہ کا بیان ہو وہ کوئی دوسرا واقعہ ہو چنانچہ حافظ

ابن حجر عسقلانی کی منقولہ عبارت میں اس کے امکان کی طرف اشارہ موجود ہے پھر ایسی صورت میں ایک دوسرے واقعہ کی زیادتی کو کسی دوسرے واقعہ پر اضافہ کی دلیل بنانا ہی غلط ہوگا۔

(۴) حدیث جابرؓ کے معارض و مخالف اسی درجہ کی دوسری روایت بھی موجود ہے چنانچہ بیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے۔

صلی بہم عشرين ركعة بعشر تسليمات ليلتين ولم يخرج في الثالثة. (تحفة الاخيار ص ۱۹۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت نماز پڑھائی دس سلاموں کے ساتھ دو رات لیکن تیسری رات تشریف نہ لائے۔

اگرچہ حدیث جابرؓ کی طرح یہ روایت بھی ضعیف ہے لیکن اس کا بیان حدیث جابر کے خلاف ہے۔ پھر اس کو قبول نہ کرنا اور حدیث جابر کے اضافہ کو قبول کر لینے کیلئے کسی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ علامہ ذہبی نے حدیث جابر کی سند کو وسط فرمایا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ امام ذہبی کی تردید علامہ نیوی نے فرمادی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حدیث جابر کسی طرح وسط کہلانے کی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس کی تمام سندوں میں عیسیٰ بن جابر یہ جیسا منکر راوی موجود ہے کوئی سند اس روایت کی راوی مذکور سے خالی نہیں ہے اگر غیر مقلدین کے علم میں ہو تو حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں پھر متفق علیہ مجروح راوی کی موجودگی میں کسی کے وسط لکھ دینے یا اپنی صحیح میں اس کی تخریج کر دینے سے وہ روایت صحیح نہیں ہو جاتی ہے بلکہ عیسیٰ بن جابر کے ترجمہ میں امام ذہبیؒ نے ذکر ہی اس واسطے فرمایا ہے کہ بات علم میں آجائے کہ یہ روایت منکر ہے اس لئے کہ ذہبی کی میزان الاعتدال میں یہ عادت ہے کہ جس راوی کا ترجمہ لکھتے ہیں اگر اس سے کوئی روایت منکر ہوتی ہے تو اس کا ذکر

بھی فرمادیتے ہیں مزید یہ کہ پہلے بھی یہ بتایا جا چکا ہے کہ سند کے صحیح ہو جانے سے حدیث کا صحیح ہو جانا کوئی ضروری بات نہیں ہے بنا بریں اگر حدیث جابر کی سند بضر محال وسط بھی ہو تو اس حدیث جابر کا صحیح ہونا کیونکر لازم آسکتا ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف روایتیں موجود ہیں اور قرآن بھی اس کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ تمام سند میں عیسیٰ بن جابر یہ موجود ہے تو اس کی صراحت طبرانی میں بایں الفاظ مذکور ہے۔

لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بهذا الاسناد.

(طبرانی صغیر ص ۱۰۸)

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اس سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے یہ روایت نہیں ملتی ہے۔

اب عیسیٰ بن جابر کے متعلق محدثین کی رائیں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں لیس بذلک لا اعلم احداً روی عنہ غیر یعقوب یعنی وہ تو روایت کا اہل ہے ہی نہیں، مجھے نہیں معلوم کہ یعقوب کے علاوہ بھی کسی نے اس سے روایت کی ہے۔ یہی یحییٰ بن معین نے دوسری روایت کے مطابق فرمایا عندہ مناکیو عیسیٰ بن جابر کے پاس صرف منکر روایتیں ہیں۔

(۲) امام نسائی امام داؤد فرماتے ہیں منکر الحدیث یعنی عیسیٰ بن جابر یہ منکر ہے، امام نسائی یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ متروک راوی ہیں۔

(۳) ساجی اور عقیلی نے اس کا نام ضعیف راویوں کی فہرست میں درج فرمایا ہے۔

(۴) ابن عدی نے فرمایا احادیث غیر محفوظہ یعنی عیسیٰ بن جابر کے تمام حدیثیں منکر اور غیر محفوظ ہیں۔

(۵) ابو زرعہ فرماتے ہیں لا بأس بہ کوئی خاص مضائقہ نہیں۔

(۶) ابن حبان نے اس کا تذکرہ ثقات میں فرمایا ہے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ص ۲۰۷ ج ۸ و میزان ج ۲ ص ۳۱۱)

چھ حضرات کی مفسر اور واضح جرح کے ہوتے ہوئے صرف دو آدمی کی مبہم اور غیر واضح توثیق اصول حدیث کی روشنی میں قابل توجہ نہیں ہو سکتی اس لئے عیسیٰ ابن جاریہ پر تنقید کرنے والوں نے ان کا منکر الحدیث ہونا تضعیف کی علت کے طور پر ذکر فرمایا ہے جس کے بعد ان کی تمام جرحیں مفسر ہو جاتی ہیں اس کے برخلاف ابو زرعد اور ابن حبان نے توثیق کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی ہے بلکہ ابو زرعد نے توثیق کی کمزوری واضح کرنے کے لئے سب سے کم وزن توثیق کا کلمہ جو ممکن تھا وہی استعمال فرمایا ہے یعنی لا بأس بہ کہا ہے بنا بریں عیسیٰ بن جاریہ متفق علیہ ضعیف اور منکر ٹھہرتے ہیں اور انکی مذکورہ روایت قطعاً لائق توجہ نہیں ہوگی، بالخصوص غیر مقلدین حضرات کے نزدیک، کیونکہ ان کے جلیل القدر عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں۔

منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق بہ الترتک لحديثه.

(ابکار المنن ص ۱۹۱)

منکر ہونا راوی کا ایسا عیب ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ حدیث قابل ترک ہو جاتی ہے۔

حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا روایت میں اضطراب بھی ہے کیونکہ حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں تراویح کی بیس رکعات بھی منقول ہے بنا بریں آٹھ رکعت والی ان کی روایت ضعیف ہونے کے علاوہ بیس رکعت سے معارض ہونے کی وجہ سے مردود بھی ہے اور حضرت جابرؓ کی بیس رکعت والی روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے موافق بھی ہے اور اس کی سند بھی دوسری ہے اس لئے تعدد طرق کی وجہ سے بیس رکعت کا ثبوت بسند صحیح ہو گیا واضح رہے کہ حضرت جابرؓ کی بیس رکعت والی

حدیث میں نہ تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے اور نہ ہی عیسیٰ بن جاریہ جیسا مجروح کوئی راوی ہے نہ یعقوب بن عبداللہ اعمی جیسا کوئی شیعہ راوی ہے۔ محدث اسلمی حمزہ بن یوسف المتوفی ۲۷۷ھ اپنی کتاب تاریخ جرجان صفحہ ۲۷۵ پر پوری سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبد اللہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی رمضان فصلى الناس اربعة وعشرين رکعة و او تر بثلاثة. حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور لوگوں کو چوبیس رکعات پڑھائیں (یعنی چار عشرہ کی اور بیس رکعت تراویح کی) اور تین رکعت وتر پڑھیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے

نماز تراویح کی رکعتوں کے سلسلہ میں جس طرح حضرت جابرؓ سے آٹھ رکعتوں کی تعداد مروی ہے اگرچہ بسند ضعیف ہی سہی بالکل اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بیس رکعتوں کی تعداد بھی مروی ہے چنانچہ عبدالبن حمید نے اپنی مسند میں، امام بغوی نے اپنی معجم میں، طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں، بیہقی نے جلد اول ص ۶۹۴ پر اور امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف جلد اول قلمی صفحہ ۴۸۲ پر یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

ابو سعد المالینی ثنا ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز ثنا منصور بن ابی مزاحم ثنا ابو شیبہ عن الحكم عن مقسم عن ابن عباسؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر

رمضان غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر تفردہ ابو شیبۃ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی وهو ضعیف. (بیہقی ج ۱ ص ۴۹۶)

ابوسعبد مالیتی سے حدیث بیان کی ابو احمد بن عدی حافظ نے اور ان سے بیان کیا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز نے اور ان سے حدیث بیان کیا منصور بن ابی مزاحم نے اور ان سے حدیث بیان کی ابوشیبہ نے جو روایت کرتے ہیں حکم سے اور حکم مقسم سے اور مقسم حضرت بن عباسؓ سے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کو فی اس میں مفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں بالعموم دو اعتراض کئے جاتے ہیں اول یہ کہ اس کی سند ابوشیبہ ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے اور استدلال کے لائق نہیں ہے۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہؓ کی صحیح مرفوع متصل روایت جس میں آٹھ سے زائد کی نفی ہے اس کے خلاف اور معارض ہے بنا بریں حدیث ضعیف کا جب حدیث صحیح سے تعارض ہوگا تو ضعیف قابل ترک اور ناقابل احتجاج ٹھہرے گی۔ انہیں دو باتوں کو بالعموم تمام معترضین بار بار دہراتے ہیں چنانچہ حدیث ابن عباسؓ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

واما ما رواه ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباسؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر فاسناده ضعیف وقد عارضه حدیث عائشۃؓ هذا الذی فی الصحیحین مع کونها اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلا من غیرہ.

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۷)

اور وہ روایت جس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے طور

پر نقل فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے تو اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے خلاف حضرت عائشہؓ کی یہ روایت جو بخاری و مسلم میں منقول ہے وہ موجود ہے پھر یہ کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمول کو دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں۔

حدیث ابن عباسؓ پر تنقیدی بیان کا تجزیہ

ابن حجرؒ کے اس مفصل اور طویل بیان کا خلاصہ تین باتوں میں آجاتا ہے۔

- (۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے۔
- (۲) حضرت عائشہؓ کی روایت جو بخاری و مسلم کی ہے اس کے معارض و مخالف ہونے کی وجہ سے حدیث ابن عباسؓ ناقابل توجہ ہے۔
- (۳) حضرت عائشہؓ اٹھ رکعت بتاتی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ بیس رکعت۔ ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے معاملہ میں حضرت عائشہؓ کی معلومات زیادہ ہے اور صحیح ہے لہذا وہی قابل قبول ہوگی۔

ان تینوں باتوں کے سلسلہ میں کچھ بہت زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ بالکل اس کے خلاف خود ابن حجر عسقلانی نے ہی اپنا بیان ایک موقع پر دیدیا ہے جس کے بعد یہ کہنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ موصوف نے اس جگہ کھلے تعصب سے کام لیا ہے ورنہ ان تینوں اعتراضوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر حدیث ابن عباسؓ میں ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سند میں ضعف ہے اور اس لئے یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے تو گذر چکا ہے حضرت علیؓ کی روایت جس میں سولہ رکعتوں کا ذکر ہے اس کے اندر بھی ایک راوی عاصم بن ضمرہ ہیں جن پر بعض محدثین نے وہی تنقید فرمائی ہے جو ابراہیم بن عثمان پر کی ہے لیکن یہی ابن حجر ہیں کہ وہاں اس ضعف کو نظر انداز کر گئے ہیں اور اگر کسی نے اس کے ضعف پر زور دیا تھا تو خود حافظ ابن حجر نے

اس کو متعصب قرار دیا ہے لیکن چونکہ اس روایت میں سولہ رکعت کا معاملہ تھا جس سے حنفیہ کا استدلال نہ ہو سکتا تھا اس لئے وہ روایت نہ صرف یہ کہ قبول کی گئی بلکہ اس کی صحت پر زور دیا گیا اور یہاں بیس رکعت کی بات جو صراحۃً حنفیہ کی تائید کرتی ہے اس لئے اس کو کسی طرح ضعیف اور ناقابل استدلال ٹھہرا دینا ہے۔ اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ تعارض کا افسانہ بھی بالکل بے بنیاد ہے اگر حدیث عائشہؓ سے حدیث ابن عباسؓ کا تعارض اس کے قبول کرنے میں رکاوٹ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ تعارض تو حضرت علیؓ کی روایت میں بھی موجود ہے۔ یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ آٹھ رکعتوں سے بیس رکعتوں کا تو تعارض ہے مگر سولہ رکعتوں سے کوئی تعارض نہیں ہے لہذا یہ ایک حقیقت ہے کہ تعارض و تخالف کا بہانہ محض بے بنیاد ہے کیوں کہ اس جگہ تعارض کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے یہ تو ایک قسم کا اضافہ اور زیادتی ہے اور نوافل کے سلسلہ میں زیادتی کی کافی گنجائش ہے اور اسی لئے اس معاملہ میں مختلف بیانات کو قبول کر لیا جاتا ہے پھر یہ کہ تعارض تو جب ہوتا جبکہ دونوں بیانات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوتے حالانکہ حدیث ابن عباسؓ میں اس بات کی صراحت ہے کہ جماعت کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور حدیث جابرؓ یا حدیث عائشہؓ میں جماعت کا تذکرہ ہے پھر صاف طریقہ پر معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں الگ الگ واقعہ سے متعلق روایت فرما رہے ہیں پس ایسی صورت میں تعارض کا سوال کیا ہوتا ہے؟ اس لئے ہم عرض کریں گے کہ حافظ ابن حجر کے اس بیان کو سمجھنے کے لئے ان کا وہ بیان دوبارہ پڑھ لیا جائے جو تہذیب التہذیب کے حوالے سے حدیث علیؓ کے ذیل میں پہلے نقل کیا جا چکا ہے، انشاء اللہ مطلع بالکل صاف ہو جائے گا۔ یہ بات بھی سخت تعجب کا باعث ہے کہ ایک جگہ حضرت علیؓ کو علی الاطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احوال سے زیادہ واقف خود حضرت عائشہؓ کے مقابلہ میں یہی ابن حجر بتا چکے ہیں لیکن اس جگہ حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ

فرماتے ہیں کہ انہیں رات کے معمول کا زیادہ علم تھا حالانکہ واقعات و قرآن اس کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ سفر کی حالت میں حضرت عائشہؓ کا غیر موجود ہونا اور عدل و انصاف کی بنا پر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جتنی راتیں بسر کی جاتی تھیں دیگر ازواج میں سے ہر ایک کے حجرہ میں اتنی راتوں کا گزارنا ہی قرین قیاس ہے۔ پھر حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں حضرت ابن عباسؓ کا رات کے وقت موجود ہونا بخاری و مسلم کے حوالہ سے گذر ہی چکا ہے علاوہ بریں خاص حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جو راتیں گذری ہیں انہیں راتوں کی نمازوں کا حضرت عائشہؓ کے علم میں ہونا غیر یقینی ہے بلکہ صحیحین کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ بسا اوقات وہ بے خبر سوئی ہوتی تھیں کمرہ میں تاریکی ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصروف نماز ہوتے تھے لیکن ان سب کے باوجود حضرت عائشہؓ کو ہی علی الاطلاق علم اور رات کے معمول سے زیادہ واقف قرار دینا نہ معلوم علم و دیانت کا کون سا تقاضہ ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عائشہؓ ہی اعلم بحال النبی لیلہ اور زیادہ واقفہ کار ہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ کوئی جزوی اور اتفاقی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آ سکتا جس کا علم حضرت عائشہؓ کو نہ ہو بلکہ حضرت ابن عباسؓ کو ہو جائے کیا وہ واقعہ نہیں ہے کہ کسی خاص معاملہ کا علم کم واقف کار کو ہو جاتا ہے لیکن زیادہ واقف کار کبھی کبھی اس سے باخبر نہیں ہو پاتا ہے۔ پھر ان بے بنیاد اور رکیک اعتراضوں کے ذریعہ کسی حقیقت کے انکار کا بہانہ تلاش کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ انہیں اسباب و جوبات پر کافی غور کرنے کے بعد غالباً شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس خیال کے ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ہے چنانچہ ابن عباسؓ کے سلسلہ میں حضرت موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

امام بیہقی اس روایت را ضعیف تر نموده بعلمت آں کہ راوی اس حدیث جدابی مکر بن شیبہ است، کہ ابو شیبہ است، حالانکہ ابو شیبہ جدا ابو بکر بن شیبہ افتقد رضعف ندارد

کہ روایت اور امطروح مطلق ساخته شود آری اگر معارض او حدیث می بود البتہ ساقطی شد و آنچه مروی شدہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة مراد از ان نماز تہجد است کہ رمضان وغیرہ برابر بود و انرا صلوة اللیل می گفتند اما تراویح غیر آنست کہ در عرف شاں بقیام رمضان مسکی می بود چنانچہ دلالت کند بر آن حدیث اجتہاد از مسلم۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۱۹)

بیہقی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف دکھانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی امام ابو بکر بن شیبہ کے دادا ابو شیبہ ہیں حالانکہ ان کے اندر اتنا ضعف نہیں پایا جاتا کہ ان کی روایت کو بالکل مردود سمجھا جائے البتہ اگر اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث ہوتی تو ناقابل اعتبار سمجھا جاتا۔ (لیکن یہ بات یہاں نہیں ہے) اور وہ جو مروی ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہ پڑھتے تھے تو اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان سب میں برابر تھی اور اس کو صحابہ کرام صلوة اللیل کہا کرتے تھے لیکن تراویح تو اس کے علاوہ ایک الگ نماز ہے جو صحابہ کے عرف عام میں قیام رمضان کے نام سے مشہور تھی جیسا اس کی دلیل مسلم کی روایت میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں یا اسکے آخری عشرہ میں زیادہ عبادت فرمایا کرتے تھے۔

بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تو حدیث ابن عباسؓ کا ضعف تسلیم ہی نہیں کرتے ہیں فرماتے ہیں نہ تو وہ کسی حدیث صحیح خصوصاً حدیث عائشہؓ کے معارض ہے اور نہ ہی اس کا ضعف باقی ہے کیوں کہ وہ توارث و تعامل کی تائید کے بعد بالکل صحیح اور درست روایت ہو جاتی ہے جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وقد سبق ان ما يتوهم معارضاً اعنى حديث ابى سلمة عن عائشة المتقدم ذكره ليس معارضاً له بالحقيقة فبقى سالماً كيف وقد ائيد بفعل الصحابة. (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص ۱۲۰)

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جو وہم کیا جاتا ہے کہ اس حدیث یعنی ابو سلمہ والی جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس کا پہلے تذکرہ آچکا ہے اس کے خلاف یہ حدیث ابن عباسؓ ہے تو درحقیقت یہ اس کے خلاف و معارض نہیں ہے لہذا یہ بالکل سالم و درست روایت ہے اور کیوں نہ صحیح ہو جب کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث ابن عباسؓ کی سند میں ضعف تسلیم کر لیا جائے تب بھی وہ حدیث اصول کی روشنی میں صحیح ہے

میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست ہی تسلیم کر لی جائے کہ حدیث ابن عباسؓ کی سند ضعیف ہے تو اس کی وجہ سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم تو نہیں آتا ہے یہ بات تو کئی مرتبہ پہلے بھی وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ اصول حدیث کے لحاظ سے سند کی صحت یا اس کے ضعف سے نفس حدیث کا صحیح یا ضعیف ہو جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اسکا امکان ہے کہ اس کی صحت سند کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو جائے اور پھر سند کا ضعف زائل اور کالعدم تصور کیا جائے یہاں یہی صورت ہے اس لئے محدثین فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کی سند میں ضعف ہو لیکن صحابہ کا اس پر تعامل و توارث رہا ہو تو اس حدیث کو صحیح اور قابل استدلال سمجھا جائے گا۔ یہ اصول حدیث کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے چنانچہ علامہ جزائریؒ فرماتے ہیں۔

اذا ورد حديث مرسل او في احد ناقله ضعف فوجدنا ذلك الحديث مجمعا على اخذه والقول به علمنا يقينا انه حديث صحيح لاشك فيه. (توجیہ النظر مصری ص ۵۰)

اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں طوف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں

تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔
 رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں حدیث ابن عباسؓ پر جمہور صحابہ کا تعامل اور
 اتفاق رہ چکا ہے بلکہ امت نے خیر القرون کے زمانہ میں اس حدیث پر نہ صرف عمل کیا
 ہے بلکہ کسی انکار کے بغیر اس پر عمل کیا ہے جو اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے اور اس کے
 ضعف کو کالعدم کر دینے کیلئے بہت کافی ہے باقی رہا بعض لوگوں کا اس کے خلاف عمل کرنا
 یا اس سے زائد کعتوں کا پڑھنا تو اس کو انکار کیلئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی وہ اس
 حدیث کے انکار کی وجہ سے ایسا کرتے تھے بلکہ اس کی دوسری وجہ تھی لہذا مذکورہ بالا اصول
 حدیث کی روشنی میں حدیث ابن عباسؓ بالکل صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ خیر القرون کے
 بعد کا انکار و اختلاف حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں ہے اس بات کے علاوہ بھی دوسری
 باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ کا استدلال صحیح
 معلوم ہوتا ہے ان باتوں کو ہم ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اس روایت میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہیں جن کی وجہ سے اس
 حدیث میں ضعف پیدا ہو گیا ہے ان کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے پیدائش
 معلوم نہ ہو سکی اغلب یہی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بہت کم عمر ہیں لیکن
 انہیں کے معاصرین میں سے ہیں لہذا اس جگہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ
 امام اعظم ابو حنیفہؒ تک اگر حدیث پہنچی ہوگی تو اس میں ابراہیم بن عثمان کا
 واسطہ درمیان میں ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ نہ ہونا ہی عین ممکن ہے جیسا
 کہ قرآن سے یہی بات واضح اور درست معلوم ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا کسی
 طرح از روئے یقین صحیح نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ضعیف ہے کیونکہ ضعف
 تو اس حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کے بعد والوں کے لئے درمیانی راوی کے
 ضعیف ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے امام ابو حنیفہؒ تک تو تمام راوی ثقہ
 تھے ان میں کوئی بھی راوی ضعیف موجود نہ تھا بنا بریں یہی روایت امام ابو

حنفیہؒ کے زمانہ میں بالکل بے عیب اور صحیح تھی اور اس سے استدلال کرنا اپنی
 جگہ درست تھا اور اس بات کا قرینہ کہ امام ابو حنیفہؒ نے اسی حدیث سے بیس
 رکعتوں پر استدلال فرمایا ہے یہ ہے کہ انہوں نے ان رکعتوں کی تعداد کو کسی
 صحابہؓ بالخصوص فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم سے ہی ثابت مانا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

لَمْ يَتَخَرَّصْ عَمْرُ التَّرَاوِيحِ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ مَبْتَدَعًا
 وَلَمْ يَأْمُرْ بِهِ إِلَّا عَنْ أَصْلِ لَدِيهِ وَعَهْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَهِيَ سُنَّةُ عَيْنٍ مُؤَكَّدَةٍ. (مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی ص ۲۳۹)
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح اپنی اٹکل سے نہیں نکالی تھی نہ کوئی بدعت
 ایجاد کی انہوں نے اسے پڑھنے کا حکم اس حدیث کی بنیاد پر دیا جو ان کے علم میں تھی اور
 عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری تھی لہذا یہ سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ ہے۔

مراقی الفلاح کی یہ عبارت مولوی علی احمد نے اپنی کتاب اظہار الحق الصریح
 ص ۱۱ پر نقل فرمائی ہے اور اس جگہ امام ابو حنیفہؒ کی فقہیت و فراست کی بڑی مدح خوانی
 بھی کی ہے لیکن اپنی خاص افتاد طبع کی وجہ سے مولوی علی احمد صاحب نے اس جگہ دو دو
 کجروی اختیار فرمائی ہے اول یہ کہ مراقی الفلاح کی عبارت انہوں نے صرف لفظ سنۃ
 تک ہی نقل کی ہے اس کے آگے سے لفظ عین مؤکدہ غائب کر گئے ہیں جس سے
 ان کا مطلب یہ ہے کہ تراویح کو سنت غیر کفایہ اور مؤکدہ نہ کہا جائے دوسری کجروی یہ
 کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ مذکورہ عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ
 کے نزدیک بھی تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی درست ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سے ثابت ہے اور جس کو حضرت عمرؓ نے بھی رائج کیا ہے حالانکہ ایک معمولی فہم کا آدمی
 بھی اس فریب کو محسوس کر لے گا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو تراویح کی رکعتیں بیس ہیں
 پھر وہ ثبوت آٹھ کا کیوں پیش فرمائیں گے؟ ظاہر ہے وہ تو اپنے معلوم و مشہور مذہب

یعنی میں رکعتوں کے لئے ثبوت فراہم کریں گے لہذا مذکورہ بالا عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تراویح کی بیس رکعتوں کے متعلق بتا رہے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی ایجاد کردہ بدعت نہیں ہے بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی وجہ سے ضعف ہے کیوں کہ ان کو ضعیف اور منکر راویوں میں شمار کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو متفق علیہ ضعیف قرار دیا ہے یا بے حد ضعیف راوی کی حیثیت سے ان پر اظہار رائے کیا ہے تو ان کا نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ نہ تو متفق علیہ ہی ضعیف ہیں اور نہ ہی اس قدر ضعیف ہیں کہ بالکل ناقابل اعتبار اور مردود ہو جائیں کیونکہ جہاں بہت سے لوگوں نے ان کو منکر یا ضعیف کہا ہے وہاں دو مستند محدثین نے ان کی زبردست توثیق بھی فرمائی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تمام جرحوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

وقال عباس الدوري عن يحيى بن معين قال قال يزيد بن هارون ما قضى على الناس رجل يعنى فى زمانه اعدل فى قضاء منه وكان يزيد على كتابته ايام كان قاضيا. (تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۱۴۵) عباس دوری یحییٰ بن معین سے راوی ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یزید بن ہارون نے بتایا کہ لوگوں پر کوئی شخص ابراہیم بن عثمان شیبہ کے زمانہ میں ان سے زیادہ قضا کے معاملہ میں عادل نہ تھا اور یہ یزید بن ہارون ان کی قضا کے دور میں ان کے کا تب و منشی تھے۔

گذر چکا ہے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے جو خیر القرون کا زمانہ ہے اب اس دور کی تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے کیسے کیسے ثقہ اور عادل

قاضیوں کا نام کثرت سے ملتا ہے لیکن یحییٰ بن معین جیسا نقاد یہ کہتا ہے کہ یزید بن ہارون نے اس دور کے تمام قاضیوں سے زیادہ عادل ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو قرار دیا ہے جبکہ یزید بن ہارون خود ان کے منشی اور کا تب رہ چکے ہیں اور ان کے حالات کے سلسلہ میں نہایت معتبر اور قریبی ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا ان کا بیان ابراہیم کے حق میں بڑا وزن رکھتا ہے خیر القرون کے دور میں قاضی مقرر کیا جانا بجائے خود ان کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کی بڑی ضمانت تھی اور یہ ہی ایک شہادت ان کے ثقہ ہونے کے لئے بہت کافی تھی مگر معاملہ اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ابوشیبہ ابراہیم تو اپنے دور کے تمام قاضیوں کے مقابلہ میں اعدل قضا کا امتیاز بھی رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر ثقہ اور معتبر ہونے کی اور کون سی دلیل چاہیے لیکن اس توثیق کے علاوہ دوسری توثیق بھی حافظ ابن حجرؒ نے تحریر فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عدی له احادیث صالحة وهو خير من ابراهيم بن ابي حبيب. (تهذيب التهذيب ج ۱ ص ۱۴۵) ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی بہت سی حدیثیں درست و محفوظ ہیں اور وہ ابراہیم بن ابی حبیب سے بہتر اور افضل ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر جتنی جرحیں کی گئی ہیں ان سب کا حاصل دو ہے ایک تو یہ کہ وہ منکر ہیں دوسرے یہ کہ وہ ضعیف ہیں لیکن ان دونوں جرحوں کے مقابلہ میں جو توثیق نقل کی گئی اس میں ابن عدی نے ان کی روایت کردہ حدیثوں کو صالح و محفوظ بتا کر ان کے حافظہ کی صحت اور قوت ضبط کی توثیق کر دی ہے لہذا ان دونوں توثیقوں کی روشنی میں قوت حفظ کی معمولی سی کمزوری کے باوجود ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ حافظ اور ثقہ ٹھہرتے ہیں بناء بریں ان کی روایت میں جو روایات کی تعداد کا اضافہ ہے وہ قبول کیا جائے گا کیوں کہ حافظ بن حجر عسقلانی کے مآل سے یہ اصل حدیث پہلے بھی گزر چکا ہے۔

والزيادة من الحفاظ مقبولة. (فتح الباری ص ۶۰۱ ج ۵)
حافظ راوی کی زیادتی قبول کر لی جاتی ہے۔

عیسیٰ بن جاریہ اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ دونوں میں
بہت بڑا فرق ہے

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ جو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے مقابلہ میں زیادہ ضعیف اور زیادہ سنی الحفظ ہے اس کی زیادتی غیر مقلدین حضرات کے نزدیک قبول کر لی جاتی ہے مگر ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ جو عیسیٰ بن جاریہ سے بدرجہا سلیم الحفظ اور قوی راوی ہیں ان کا اضافہ قبول کرنا ان کے نزدیک اصول حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں پر جرحیں محدثین نے کی ہیں ان سب پر غور سے نگاہ ڈالنے کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ دونوں راوی منکر اور ضعیف ہیں لیکن عیسیٰ بن جاریہ میں ضعف و نکارت زیادہ ہے اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ میں اس سے بہت کم ہے کیوں کہ علاوہ دوسری شہادتوں کے خود تنقید کرنے والوں میں ابن عدی نے بھی اس فرق کو واضح کر دیا ہے چنانچہ عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں احادیثہ غیر محفوظہ یعنی اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ اور منکر ہیں اس کے برخلاف یہی ابن عدی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے متعلق فرماتے ہیں احادیثہ صالحہ ان کی بعض حدیثیں محفوظ اور غیر منکر ہیں، معلوم ہوا کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ اپنے حافظہ کے لحاظ سے عیسیٰ بن جاریہ سے بہت فائق ہیں۔ اسی طرح فن تنقید کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین نے ایک روایت کے مطابق ابراہیم بن عثمان کی مدح و توثیق فرمائی ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے لیکن ائمہ فن میں کسی نے بالخصوص یحییٰ بن معین سے کسی روایت کے مطابق بھی عیسیٰ بن جاریہ کی

توثیق نہیں ثابت ہے بلکہ اس پر سخت قسم کی جرح ہی منقول ہے ان وضاحتوں کے سامنے آجانے کے بعد بھی عیسیٰ بن جاریہ کی زیادتی کو قبول کرنا اور ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی زیادتی کو مسترد کر دینا صریح تعصب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ خصوصاً جب کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی تائید میں قوی اور فعلی دونوں قسم کی مرفوع متصل حدیثیں بھی موجود ہیں چنانچہ فعلی شہادت یہ ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان مالا

يجتهد في غيره.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اتنی محنت و کوشش فرماتے تھے کہ رمضان کے علاوہ میں نہ ہوتی تھی۔

اسی طرح امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔

عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل

العشر شد ميزره واحبب لي له وايقظ اهله. (بخاری جلد اول ص ۲۷۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہ بند کس لیتے تھے اور شب بیداری فرماتے تھے اور اہل خانہ کو جگائے رکھتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں میں جس محنت و اجتہاد کی کثرت کا ذکر ہے اس سے مراد طویل قرات اور لمبی رکعت بھی ہو سکتی ہے لیکن قرآن اس کے خلاف ہیں اسی لئے محدثین نے اس سے رکعت کی زیادتی اور عدد کا اضافہ مراد لیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مشہور غیر مقلد عالم تصریح فرماتے ہیں۔

ولكن يعلم من حديث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

يجتهد في رمضان مالا يجتهد في غيره رواه مسلم ان عددها كان كثيراً.

(الانتقاد الرجیح ص ۶۱)

لیکن مسلم کی حدیث مذکورہ بالا سے یہ صاف طریقہ پر سمجھا جاتا ہے کہ رمضان میں جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اس کا عدد زیادہ ہوتا تھا۔ طویل قرأت اور درازی رکعت پر محمول کرنے کی تردید کرتے ہوئے عدد کے اضافہ پر ہی محمول کرنے کو مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے بھی دونوں حدیثوں کے سلسلہ میں بہتر اور احسن قرار دیا ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۷۴)

(۴) حدیث ابن عباسؓ کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپؐ نے نفلی نماز کے سلسلہ میں رکعتوں کی تعداد کا حق خود نمازی کو عطا فرمایا ہے اور کثرت و قلت نمازی کے پسند پر موقوف کر دیا ہے لہذا اگر میں رکعت کی کثیر تعداد کو اس طرح بھی دیکھا جائے تو نہ صرف جواز بلکہ سنت قولی کے ذیل میں آجاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الصلوة خیر موضوع فمن شاء فليقل ومن شاء فليستكثر.

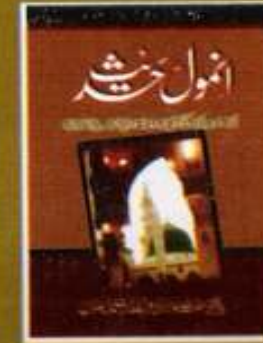
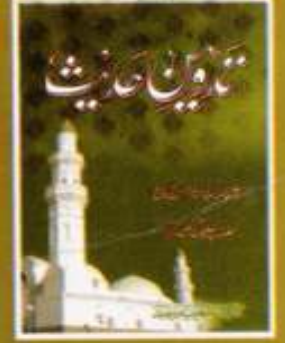
(تحفۃ الاخيار ص ۲۱۰)

نفل نماز تو ایک بہترین اختیاری عبادت ہے لہذا جس کا جی چاہے زیادہ کر لے اور جس کا جی چاہے رکعتوں کی تعداد کم کر لے۔

واخرو دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

سید طاہر حسین گیاوی

رجب المرجب ۱۴۰۰ھ



NAIMIA BOOK DEPOT

DEOBAND-247554 (U.P.) INDIA

Ph: (01336) 223294(O) 224556(R) 01336-222491(FAX)

e-mail - naimiabookdepot@yahoo.com

Rs. 35/-